لکھی گئی ہیں۔ سنسکرت زبان پر برہمنوں کی اجارہ داری ہے۔ عام آدمی کو اس زبان تک رسائی حاصل نہیں جس کی وجہ سے ہندوؤں کا دینی علم مٹھی بھر برہمنوں کی گرفت میں ہے۔ سنسکرت میں لکھی ہوئی دینی کتب کے لیے کسی ہندو کے گھر میں کوئی جگہ نہیں۔ علاوہ ازیں بھارت چونکہ ایک سیکولر (لادین) ریاست ہے' لہٰذا عوام کے لیے مذہبی ضروریات کی تکمیل سرکاری فرائض میں شامل نہیں۔ جو لوگ سنسکرت زبان اور ہندو مذہب کو جانتے ہیں وہ اللہ واحد پر ایمان کا دعویٰ تو بڑے زور وشور سے کرتے ہیں مگر عملاً مختلف بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ دین کے اس نظری فلسفے کا کیا فائدہ جو انہیں ایک اللہ کی عبادت اور سیدھے راستے پر چلنا نہیں سکھا سکا۔

ہندوؤں کی مقدس مذہبی کتاب ''گیتا''[1] ہے۔ اس کے من جانب اللہ ہونے کا کوئی ثبوت موجود نہیں مگر سب ہندو اس بات پر متفق ہیں کہ یہ کتاب ایک بہت برگزیدہ شخص ''ویاس'' نے لکھی ہے' تاہم یہ کتاب چونکہ ایک انسان کی تصنیف ہے' لہٰذا اس کا قرآن حکیم سے موازنہ کیوں کر کیا جاسکتا ہے جو کہ خالص کلام الٰہی ہے؟

گیتا کے مندرجات زیادہ تر تصوراتی موضوعات پر مشتمل ہیں مثلاً انسانی روح' مراقبے وغیرہ کا طریقہ' اور کسی حد تک انسانی کردار اور روزمرہ کی زندگی کے حوالے سے باتیں بھی اس میں مذکور ہیں مگر یہ قرآن حکیم اور حدیث نبوی ﷺ کی تعلیمات کا مقابلہ نہیں کرسکتیں جو انسانی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتی ہیں۔

گیتا محض کتابوں کی الماریوں میں نمائش کی چیز بن کر رہ گئی ہے اور وہ بھی محض چند ہندو گھرانوں میں۔ اس کی کٹھن زبان اور مبہم موضوعات کے باعث اسے کوئی بھی نہیں پڑھتا اگرچہ بعض انتہا پسند ہندوؤں نے اس کی وسیع پیمانے پر نشر واشاعت کی مہم بڑے زور وشور سے چلا رکھی ہے۔ ہندو مذہب اپنی اصل شکل میں ہر ہندو گھر میں داخل نہیں ہوتا' لہٰذا ہم عام لوگوں سے اس مذہب کی ہیئت اور اس کی خوبیوں یا خامیوں سے واقفیت کی کیا توقع کرسکتے ہیں؟

[1] گیتا میں کرشن جی کے اس وعظ کو بیان کیا گیا ہے جو انہوں نے مہا بھارت کی جنگ کے موقع پر ارجن کو سمجھانے کے لیے کیا تھا۔ (م ف)

ہمارے سامنے صرف بت پرستی کی شکل میں ہندومت موجود ہے جس پر عام ہندو روزمرہ کی زندگی میں عمل پیرا ہوتے ہیں۔

ہندو مذہب کا ایک بڑا اور اہم تصور یہ ہے کہ بوقت ضرورت ان کا معبود کسی انسان کے روپ میں زمین پر آجاتا ہے اور وہ انسان خدا کا اوتار کہلاتا ہے۔ اس تصور کی روشنی میں ہر وہ شخص جو اللہ عزوجل کی کچھ خصوصیات کا حامل ہو (نعوذ باللہ) خدا یا خدا کی تجسیم (اوتار) کہلا سکتا ہے۔ ایسے لوگوں کا بڑا احترام کیا جاتا ہے اور ان کی دیوتا کی حیثیت سے پرستش بھی کی جاتی ہے۔ اس وقت بھارت میں ''ستیا سے بابا'' (Sataya Saibaba) نامی ایک ایسا شخص موجود ہے جسے ہندو کچھ ''کرامات'' کی بنا پر خدا مان کر پوجتے ہیں۔

ہندوؤں کی سوچ میں بگاڑ آچکا ہے اور وہ نادانستہ ایک انسان کو الٰہ بنا کر شرک کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ راقم چونکہ شرک کا منکر ہے اسی لیے اس نے ہندومت سے اپنا رشتہ توڑ لیا ہے۔

آج کا ہندو معاشرہ پتھر کے بتوں کی پوجا میں پڑ کر اللہ عزّ وجل کے سیدھے راستے سے ہٹ گیا ہے اور اس کا تصور مذہب دھندلا چکا ہے۔ کئی تعلیم یافتہ ہندو اپنے مذہب پر ایمان نہیں رکھتے مگر اصل ''الٰہ'' کی تلاش اور تحقیق کے لیے ان کے پاس وقت نہیں ہے۔ وہ دنیوی زندگی ہی کو مقصد تخلیق سمجھ کر سر تا پا اس میں غرق ہو چکے ہیں۔ موت کے بعد کی زندگی اور یوم حساب کا تصور ان کے ذہن میں نہیں ہے۔ اگر ان کے پاس کافی سرمایہ اور آرام و آرائش کا سامان ہو تو وہ کھانے پینے اور سونے ہی کو زندگی سمجھتے ہیں۔ ان کی تعلیم کا تمام تر تعلق معاش سے ہے اور روحانیت کا اس میں ذرا بھی عمل دخل نہیں۔

امیر ہندوؤں نے جانوروں کی طرح رہنے کا فیشن اپنا لیا ہے اور اللہ عزّ وجل کو بالکل بھلا دیا ہے۔ کئی عقل اور شعور والے ہندو یہ جانتے ہیں کہ انسانیت کے لیے واحد سچا دین اسلام ہے مگر ان میں اتنی ہمت نہیں کہ کھلم کھلا اس کا اقرار کر سکیں کیونکہ وہ صدیوں پرانی بت پرستی کی روایت کے پابند ہیں اور معاشرے کے خوف سے اپنے کافرانہ ماحول سے نکلنے کی جرأت نہیں

کر سکتے۔ وہ اللہ عزّ وجل اور یوم حساب سے نہیں ڈرتے بلکہ اپنے دوستوں، رشتہ داروں اور پورے معاشرے سے ڈرتے ہیں۔

بھارت کے ہندو معاشرے میں جرائم کی شرح اور گناہ کاری بہت بڑھ گئی ہے کیونکہ وہ لوگ سچے دین سے بہرہ ور نہیں ہیں اور وہ اندھیرے میں بھٹکتے پھر رہے ہیں اور اللہ عزوجل کو مندروں میں تلاش کرتے ہیں، حالانکہ وہ تو ان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے لیکن وہ زندگی بھر اس کی معرفت سے محروم رہتے ہیں۔

زندگی بھر گناہوں کی غلاظت اور بت پرستی میں مبتلا یا ناستک (ملحد) رہنے کے بعد میں نے 56 سال کی عمر میں اسلام قبول کر لیا ہے۔ الحمدللہ! اس ذات باری تعالیٰ نے اپنے کرم سے مجھے صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہمت اور توفیق عطا کی ہے۔ یہ تبدیلی قرآن حکیم کے مطالعے سے ہوئی جس نے میرے تمام شکوک وشبہات کا ازالہ کر کے اسلام پر میرے ایمان کو تقویت دی۔

میرے کئی ہندو دوست یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں نے غلطی کی مگر یہ فیصلہ تو اللہ تعالیٰ یوم حساب کو کرے گا کہ کون حق پر تھا اور کون گمراہ؟ اور ان تمام ہندوؤں کے بارے میں بھی وہی فیصلہ کرے گا جنہوں نے اللہ کے پیغام (قرآن حکیم) اور پیغمبر (حضرت محمد ﷺ) کی تعلیمات کو نظر انداز کر دیا۔ [1]

[ڈاکٹر محمد مصطفیٰ - سابق ڈاکٹر مہندر سنگھ]
(Dr. Muhammad Mustafa- formerly Dr. Mahendar Singh)

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

اگر کسی مذہب کو اختیار کر لینا ہی اس اختیار کو دوام بخش سکتا تو آج بھی میں چرچ آف انگلینڈ ہی کا رکن ہوتا مگر جوں ہی میں ہر قسم کے مذہبی اجتماعات میں شرکت کے قابل ہوا تو میرے خیالات اجتماعی کلیسا (Congregational Church) پر مرتکز ہو گئے اور 27 سال کی عمر تک میں اس چرچ سے وابستہ رہا۔ میں ہندوستان میں بھی اسی کلیسا کا پیروکار رہا جہاں یہ

① سعودی گزٹ، 16 دسمبر 1991ء، ص: 7

چرچ یونائیٹڈ بورڈ چرچ (United Board Church) کہلاتا تھا جس میں اس فرقے کے علاوہ پریسبیٹیرین (Presbyterian)[1]، میتھوڈسٹ (Methodist)[2]، بیپٹسٹ (Baptist)[3]، ویزلیان (Wesleyan)[4] اور بے شمار دوسرے فرقے بھی شامل تھے۔

ہندوستان میں قیام کے دوران میں نے عیسائیوں کے فرقوں برننگ بش مشن (Burning Bush Mission) اور سیونتھ ڈے اڈونٹسٹس (Seventh Day Adventists) سے رابطہ کیا لیکن ان سب میں مجھے کوئی چیز غائب محسوس ہوئی یا خلوص کی کمی نظر آئی جس نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کیا اور کبھی کبھی تو میں نے خود کو اپنے عقیدے سے باہر پایا۔

پھر 1929ء میں کچھ دوستوں نے مجھے رومن کیتھولک چرچ چلنے کی دعوت دی تو میں نینی تال (Naini Tal) کے مقام پر اس چرچ میں بھی حاضری دیتا رہا مگر کچھ عرصہ بعد اس سے بھی جی بھر گیا۔ بے شک رومن کیتھولک لوگوں میں بہت عقیدت پائی جاتی ہے مگر اس کلیسا کی نازیبا شان وشوکت اور تکلفات نے مجھے اس کے حلقے سے برگشتہ کر دیا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد میری ملاقات یورپ کے ایک باشندے مسٹر میتھیوز (Mr.Mathews) سے ہوئی جنہوں نے کئی سال پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے مجھے دین اسلام کے بارے میں بہت کچھ بتایا۔ میں اسلام کی سادگی اور سچائی سے بہت متاثر ہوا۔ گھر واپس آنے سے پہلے مجھے قرآن کریم کے مطالعے کا شرف بھی نصیب ہو گیا جس کا مجھ پر بہت گہرا اثر ہوا اور میں نے فوراً اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے قبول اسلام کا طریقہ مسٹر میتھیوز (Mr.Mathews) سے پہلے ہی دریافت کر لیا تھا اور برطانیہ واپس آنے کے بعد میں نے لارڈ ہیڈلے (Lord Headley)

---

① نیشنل چرچ آف سکاٹ لینڈ جسے مساوی عہدے کے پادری چلاتے ہیں۔

② چارلس، جان ویزلے اور وائٹ فیلڈ کا بنا کردہ ذیلی فرقہ جو مسیحی پروٹسٹنٹ فرقے کی ایک شاخ ہے۔

③ ایک عیسائی فرقہ جس کے ہاں بپتسمہ (عیسائیوں کی ایک رسم) ضروری ہے جس میں بچے کے سر پر مقدس پانی کے چھینٹے مارے جاتے ہیں اور اسے عیسائی مان لیا جاتا ہے۔

④ جان ویزلے کا بنا کردہ ایک پروٹسٹنٹ فرقہ۔ (م ف)

کو خط لکھا جنہوں نے شفقت فرماتے ہوئے مجھے ضروری معلومات فراہم کر دیں۔

مجموعی طور پر میرا خیال ہے میں نے اسلام اس لیے قبول کیا کہ یہ واحد دین ہے جس میں ایمان اور سچائی کو صحیح معنوں میں اوّلیت حاصل ہے۔ آخر میں یہ کہہ دوں کہ میں دوسرے مذاہب کی چمک دمک اور نمود و نمائش کو پسند نہیں کرتا کیونکہ وہ مجھے لارڈ میئر (Lord Mayor) کے پر تکلف شو (مظاہرے) کی یاد دلاتے ہیں۔[1]

[ایچ جی نیوٹ]
(H.G.Newitt)

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

دس سال کا طویل عرصہ میں شک اور مایوسی کے ویرانے میں بھٹکتا رہا اور اب مجھے خوشی ہے کہ بالآخر اسلام کی صورت میں مجھے حقیقی سکون اور ہدایت کی روشنی نصیب ہو گئی ہے۔ میں اس عظیم اسلامی اخوت کا رکن بننے پر تہِ دل سے خوش ہوں جس کی عالمگیر حیثیت کو کوئی چیلنج نہیں کر سکا جس میں اخوت و مساوات کا نصب العین 1400 سال سے بھی زائد عرصہ سے عملی زندگی میں موجود ہے جب کہ دوسرے مذاہب کے پیروکار صرف زبانی جمع خرچ ہی سے کام چلاتے ہیں اور اخوت و مساوات کے اصولوں پر عمل کو آسانی سے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں اسلام کا سادہ عقیدۂ توحید اور نبی آخر الزماں ﷺ کی تعلیمات انسانیت کی تمام اخلاقی، مادی اور روحانی ضروریات کا احاطہ کرتی ہیں اور دوسرے تمام مذاہب کے بانیوں کی تعلیمات سے افضل ہیں۔

میں ویسٹ انڈیز کے جزیرہ بارباڈوس (Barbados) میں پیدا ہوا اور ایک خاصے مذہبی گھرانے میں پرورش پائی۔ میں نے بائبل کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جس کی بنا پر سنڈے سکول کا بہترین طالب علم شمار ہوتا تھا۔ والدین کی خواہش کے مطابق میں نے مقامی طور پر

[1] اسلامک ریویو جنوری 1934ء ج:22، ش:1، ص:9,8

وعظ و نصیحت کی تربیت حاصل کی اور اکثر مجھے بائبل پر لیکچر دینے پڑتے تھے۔ مگر جب میری سکول کی تعلیم کا دور اختتام کے قریب پہنچا تو میں عیسائیوں کے عقائد و اعمال سے سراسر متنفر اور اپنے مذہب سے بالکل منکر ہو گیا۔ اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقرر کردہ معیار بلاشبہ اعلیٰ تھے اور مجھے اچھے بھی لگتے تھے' تاہم جس بات نے مجھے سب سے زیادہ پریشان کیا وہ رنگ دار لوگوں سے سفید فام عیسائیوں کا ذلت آمیز سلوک تھا۔

اسے دیکھ کر میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف سفید فام لوگوں کے لیے مصلوب ہونا گوارا فرمالیا تھا یا واقعی تمام انسان ایک ہی اللہ کی مساوی مخلوق ہیں؟ اسی شک' مایوسی اور پریشانی کے عالم میں' میں نے سکول چھوڑ کر لارڈ کیلوِن (Lord Kelvin) کے ایک بحری جہاز پر ملازمت کر لی اور دنیا کی سیر و سیاحت میں مشغول ہو گیا۔ اس طرح مجھے ان مختلف قوموں کے لوگوں اور ان کے عقائد سے دلچسپی ہو گئی جن سے دوران سفر میں میرا واسطہ پڑا۔

مجھے ہر قسم اور ہر قبیل کے لوگوں سے ملنے کا موقع ملا۔ سب سے زیادہ میں بیونس ایئرز (Buenos Aires) میں سویڈن کے ایک باشندے سے متاثر ہوا جو تقریباً 26 برس کا ایک حسین نوجوان تھا۔ ایک دن ہمارے جہاز کے عملے کے کچھ لوگ جن میں مجھ سمیت تین ویسٹ انڈیز کے باشندے' ایک روسی' ایک فن لینڈ کا باشندہ' لیورپول (Liverpool) سے ایک آئرلینڈ کا باشندہ اور ایک ویلز (Wales) کا باسی شامل تھے۔ ہم گودی پر سیر کے لیے نکلے تو ایک دلکش آواز نے ہمیں مخاطب کیا: ''کیا حال ہے لڑکوں کا؟'' معلوم ہوا کہ یہ خوش مزاج سویڈن کا باشندہ بندرگاہ میں لنگر انداز ایک جہاز کا چیف آفیسر تھا۔ ہم اس کی شخصیت اور اس کے دلکش اندازِ گفتگو سے اتنے متاثر ہوئے کہ ہم رک گئے اور تعارف کے بعد اس سے باتوں میں مشغول ہو گئے۔ اس نے ہمیں اپنے جہاز پر آنے کی دعوت دی اور جب ہم جہاز پر اس کے کمرے کے قریب پہنچے تو اس نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا: ''آجاؤ میرے بھائیو!''

اس برادرانہ استقبال پر ہم سب حیران ہو گئے۔ عمر میں سب سے چھوٹا ہونے کے باعث میں نے انتظار کیا کہ میرے ساتھی بات شروع کریں۔ وہ سب لوگ شاید شرمیلے پن یا قدامت

پسندی کی وجہ سے خاموش رہے تو میں نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے اپنے میزبان سے کہا: ''جناب مجھے جتنے سفید فام لوگوں سے واسطہ پڑا ہے آپ ان سب سے مختلف ہیں؟'' اس نے خوش مزاجی سے جواب دیا: ''ہاں نوجوان! اس کی وجہ یہ ہے کہ میں دنیا کے سب سے بڑے رشتۂ اخوت سے منسلک ہوں۔''

''وہ کون سا رشتۂ اخوت ہے؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے جواب دیا: ''یہ واحد رشتۂ اخوت ہے جو اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کو بلا امتیاز رنگ ونسل ایک ہی کنبہ قرار دیتا ہے۔ یہ وہ رشتۂ اخوت ہے جو ایک دوسرے کو سہارا دینے اور نبیٔ اکرم ﷺ کی اصل تعلیمات کے فروغ کے لیے کوشاں ہے۔''

''اچھا تو آپ ایک نبی پر ایمان رکھتے ہیں؟'' میں نے دریافت کیا۔

اس نے جواب دیا: ''جی ہاں! اور کسی دن آپ بھی اسی نبیٔ کریم ﷺ پر ایمان لے آئیں گے۔''

میں نے پوچھا: ''آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟''

اس نے کہا: ''تمہارا خمیر ایسی مٹی سے اٹھا ہے کہ تم اس نبی ﷺ پر ضرور ایمان لاؤ گے اور کئی سال بعد تم میری یہ باتیں یاد کرو گے۔''

پھر اس نے میرے ساتھیوں کو مخاطب ہو کر ان سے کہا: ''آؤ جوانو! کچھ کافی لیں۔'' کافی کے ساتھ کیک بھی تھے۔ کھانے پینے سے فارغ ہو کر ہم نے اسے بڑے پُرتپاک انداز سے الوداع کہا اور چلے آئے۔ اگلی صبح سویرے اس کا جہاز نیویارک روانہ ہو گیا اور اس کے بعد پھر وہ مجھے نظر نہیں آیا لیکن میں اس کی شخصیت کے دلکش تاثر اور اس کی دلنشین گفتگو کو کبھی فراموش نہ کر سکا۔ اب مجھے یہ احساس ہوا ہے کہ وہ ایک سچا مسلمان تھا۔

دنیا بھر میں سفر کے دوران میں نے مختلف اقوام اور مذاہب کا مطالعہ کیا۔ کچھ سال قبل جب میں مشرق کی طرف نکلا تو مجھے دنیا کے بڑے مذاہب کو قریب سے دیکھ کر ان کے تقابلی مطالعے کا موقع ملا اور اس میں سب سے پہلی بات جس نے مجھے عیسائیت سے کنارہ کشی پر آمادہ کیا وہ

عیسائیوں کے نام نہاد کلیسا کا جمود، جھوٹا وقار اور حاکمیت کا رویہ تھا۔ اس حقیقت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ دوسرے مذاہب کی نسبت عیسائیت میں باعمل علماء بہت کم ہیں، جبکہ ان کے مقابلے میں ہزاروں عیسائی پادری ایسے ہیں جو تبلیغ دین کو محض پیشہ سمجھتے ہیں اور برادرانہ محبت، عاجزی اور دوسروں کا دکھ درد سمجھنے کے جذبے سے عاری ہیں جو کہ اعلیٰ کردار کی بنیاد ہیں۔ اس بے پروائی اور غیر ہمدردانہ رویے نے لاکھوں لوگوں کو عیسائی مذہب سے بیزار کر دیا ہے کیونکہ انہیں ان کی طلب کردہ روٹی کے بجائے کھانے کو گویا پتھر ملتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں پیغمبر اسلام ﷺ کے دین کی کیا شان ہے کہ اس میں شاہ و گدا اللہ کے حضور شانہ بشانہ پیش ہو کر عبادت کرتے ہیں جہاں رنگ ونسل کا کوئی امتیاز نہیں۔ جن لوگوں کو حج بیت اللہ کا موقع ملا ہے یا جنہوں نے اس کے بارے میں پڑھا ہے وہ بلاشبہ اس بات کو تسلیم کریں گے کہ کم از کم حج تو عالمگیر اخوت کا عملی مظاہرہ ہے۔ ہر نسل کے سفید فام، سیاہ فام اور زرد فام لوگ ایک ہی رشتے میں منسلک نظر آتے ہیں اور یہ اسلام کا رشتہ ہے۔ اسلام کی وحدت کسی شک وشبہ سے بالا تر ہے۔ گورے، کالے، بڑے، چھوٹے اور امیر، غریب تعصبات سے ماورا ہو کر اس دین میں محبت وشفقت اور ایمان افروز روحانی اخوت کی فضا میں سانس لیتے ہیں۔ ویسے بھی تمام انسانوں کو ذی شرف اور یکساں پیدا کیا گیا ہے، لہٰذا میں یہ بات نہیں مانتا کہ کچھ انسانوں کو تو منتخب اور اعلیٰ بنا کر پیدا کیا گیا جبکہ باقی لوگوں کو پانی نکالنے اور لکڑیاں چیرنے کی مزدوری کے لیے بنایا گیا۔ امیر یا غریب، چھوٹا یا بڑا اور سیاہ یا سفید ہونا تو محض ایک اتفاق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب انسان برابر ہیں۔ مگر انسان کی بتدریج ترقی اور ارتقا کے باوجود یہ اخلاقی کمزوری اور روحانی بے اعتنائی دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ انسان ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں نہ دوسرے کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔

مگر اب جبکہ میں نے تعصب اور تضادات پر مبنی اور غلط تعبیرات سے بھرپور روایات کے آہنی بندھنوں سے آزادی حاصل کر لی ہے اور اسلام کی معزز برادری کا رکن بن گیا ہوں، مجھے اپنے اس فرض کا احساس ہوا ہے کہ میں رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کی شان لوگوں کے

سامنے بیان کروں۔ میں اپنی طرح شک اور مایوسی میں مبتلا لوگوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس آپ بیتی سے فائدہ اٹھا کر اسلام کے مطالعے پر کچھ وقت اور توجہ صرف کریں۔ یہ آپ کو دنیا کا نیا رخ دکھائے گا جو اس سے پہلے آپ نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا اور توحید پر ایمان اور مساوات انسانی سے رہنمائی حاصل کر کے آپ کو وہ اطمینان وسکون حاصل ہوگا جو اسلام کا خاصہ ہے۔

یہاں میں سیلون (موجودہ سری لنکا) میں اپنے مسلمان بھائیوں بالخصوص جناب اے جے اے قادر کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اسلامی عقیدے کا اعلان کرنے میں میری مدد اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ میں جونہی یہاں پہنچا تو میں نے ان سے رابطہ کیا۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ جناب قادر نے میری گفتگو سے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ میں بہت سوچ سمجھ کر اور مطالعہ کرنے کے بعد اسلام قبول کر رہا ہوں' اندھیرے میں چھلانگ نہیں لگا رہا۔ انہوں نے تمام ضروری باتوں کا خیال رکھا' اس لیے مجھے ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے قبول اسلام کرنے سے بے حد خوشی ہوئی۔

میں اپنے عیسائی بھائیوں سے یہ گزارش کروں گا کہ میرے اس اقدام پر مجھے حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں۔ ذرا غور سے اسلام کا مطالعہ کریں' رواداری سے کام لیں اور دل ودماغ کو تھوڑا سا تبدیل کر کے سوچیں تو انہیں یقین ہو جائے گا کہ عیسائیت کی تبلیغ وتعلیم کے مقابلے میں اسلام کی تعلیم وتربیت بدرجہا بہتر اور عظیم الشان ہے۔ [1]

[عمر پراؤٹ]
(Omar Proutt)

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

میں ایک آسٹریلین نومسلم ہوں۔ عیسائیت میں میرا نام ڈیرل چیمپئن (Daryl Champion) رکھا گیا تھا۔ میں نے یکم جون 1984ء بمطابق 3 ربیع الآخر 1404ھ کو سڈنی (Sydney)

---

[1] اسلامک ریویو' جنوری 1934ء ج:22' ش:1' ص:10-14

کی ایک مسجد میں اسلام قبول کیا۔ قبول اسلام کے بعد میں نے سڈنی کی تمام مساجد کا دورہ کیا اور سڈنی میں جس قدر ممکن تھا میں نے اسلام کی امتیازی خصوصیات کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا۔ میرا موجودہ نام قمر القلب ہے اور والدین مجھے ڈیرل چیمپئن کے نام ہی سے یاد کرتے ہیں۔

میں یوسف اسلام (سابق کیٹ سیٹونز (Cat Stevens) نامی مشہور موسیقار) نہیں ہوں مگر میرا پیغام یوسف اسلام کے پیغام جیسا ہی ہے۔ میں بھی موسیقاروں کے ایک گروہ کے ساتھ مینجر کی حیثیت سے تین سال وابستہ رہا ہوں بلکہ یہی وابستگی 1983ء کے آغاز میں مجھے جنوبی آسٹریلیا کے دارالحکومت اور میرے آبائی شہر ایڈیلیڈ (Adelaide) سے سڈنی لے آئی۔ میں نے ذرائع ابلاغ میں چار سال کام کیا اور دو سال ایک صحافی کی حیثیت سے گزارے۔ تقریباً تین سال میں نے ایک کاروباری ادارے میں سٹور مین کے طور پر بھی کام کیا۔ اب میں معاشی طور پر بے روزگار ہوں اور اسلامی تاریخ اور دیگر کئی مضامین آج کل میرے زیرِ مطالعہ ہیں۔

آپ کو میرے قبول اسلام کی داستان سے دلچسپی ہے تو یہ عرض کردوں کہ میں نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ اپنے اندر اسے دریافت کیا ہے۔ یہ مقررہ وقت پر اللہ کے فضل وکرم سے بغیر کسی دیر کے بہت جلد مجھے نصیب ہوگیا۔ مجھے اسلام تو قبول کرنا ہی تھا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب میں مسلمان ہی ہوں اور ان شاء اللہ میری طرح کئی اور لوگ بھی آیندہ مسلمان ہوتے رہیں گے۔

مسلمانوں کو عمل سے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ قرآن حکیم کی عظیم الشان آیات کی رہنمائی میں انسان بہتر زندگی بسر کرسکتا ہے لیکن اس کے لیے مسلمانوں کو متحد اور منظم ہونا ہوگا۔ فرقوں سے بالاتر ہونا پڑے گا، پرانی عداوتیں تاریخ کی گرد میں دفن کرکے تمام تر توجہ ایک سنہرے مستقبل کی تعمیر پر صرف کرنا ہوگی کہ یہی اللہ کا منشا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ بچپن میں جب میں والدین کے ساتھ کار کی پچھلی نشست پر بیٹھ کر ایڈیلیڈ کی گلیوں میں نکلتا تھا تو شہر کی مسجدوں کے ستاروں سے آراستہ گنبد اور مینار بڑے شوق سے دیکھتا تھا اور اس وقت بھی میرے دل میں ان مساجد کو اندر سے دیکھنے کی تڑپ موجود تھی۔

مجھے کان کنی کے اعتبار سے مشہور بروکن ہل (Broken Hill) کے صحرائی قصبے میں اپنے پرائمری سکول کے مطالعاتی دورے کے دوران میں ایک مسجد کو اندر سے دیکھنا بھی یاد ہے' اس وقت میری عمر 12 سال تھی۔ یہ بظاہر چھوٹی مگر خوب صورت مسجد تقریباً ایک صدی قبل افغان شُتر بانوں [1] نے بنائی تھی اور اس میں آکر مجھے ایسا سکون محسوس ہوا جو مجھے عیسائیوں کے کلیسا میں کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں ہائی سکول میں تھا تو میرے دل میں قرآن حکیم پڑھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ یہ خواہش مجھے عجیب سی لگی کیونکہ میری پرورش عیسائیت پر ہوئی تھی مگر میں نے کبھی بائبل نہیں پڑھی تھی۔ میں کبھی بھی ایک مخلص عیسائی نہ بن سکا۔

پھر 12 ماہ بعد میں نے ایک خواب دیکھا اور یقین کیجیے کہ یہ خواب مجھے بالکل حقیقت لگا۔ میں نے دیکھا کہ مجھے ایک ناواقف سپاہی نے قتل کر دیا ہے مگر قتل ہونے سے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی بہت بھاری بوجھ میری پیٹھ سے اتر گیا ہے۔ میں ابھی تک زندہ تھا لیکن میں نے نیچے پڑی ہوئی اپنی لاش دیکھی۔ اس بات کا مجھ پر بڑا اثر ہوا۔ مجھے جسمانی موت کے بعد زندگی کا یقین ہو گیا اور موت کا تمام خوف جاتا رہا۔ میرے خیال میں حقیقت کی جانب میرے سفر کا یہ ایک اور قدم تھا۔ اس خواب کے کچھ ہی عرصہ بعد میں نے دیکھا کہ ایک بہت شدید تاریکی چھا رہی ہے جو آسٹریلیا سمیت پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لینے لگی ہے۔ حقیقتاً وہ تاریکی اتر چکی ہے اور اب وہ مزید گہری ہو گی۔ اس وقت یہ تاریکی طوفانی رات سے پہلے دھندلاہٹ کی طرح ہے۔ میں نے اپنے آپ سے یہ عہد کیا کہ اس تاریکی سے نجات کے لیے کچھ کر کے دکھاؤں گا۔ یہ گزشتہ سال اکتوبر 1983ء کی بات ہے۔ اللہ عزّ وجل کے فضل سے میں نے اس عہد کے دو دن بعد ایٹمی اسلحے کے خلاف ایک اجلاس میں شرکت کی تو معلوم ہوا کہ وہاں بیان کردہ حقائق بائبل کی کتاب ''مکاشفہ'' سے لیے گئے تھے۔ اس سے قرآن کے مطالعے کا میرا شوق دوبارہ زندہ ہو گیا۔ مجھے یاد آیا کہ ''دنیا کے خاتمے'' کے حوالے سے مسلمانوں کے بھی کچھ

---

[1] انیسویں صدی کے وسط میں انگریز آسٹریلیا کے اندرونی دشوار گزار صحرائی علاقوں تک رسائی کے لیے بلوچستان سے اونٹ اور افغان شتر سوار وہاں لے گئے تھے۔ (م ف)

نظریات ہیں۔ اتفاقاً صرف ایک ہفتے بعد میری ایک مسلمان سے پہلی ملاقات ہوئی۔ میں روز بروز ان سے اسلام کے بارے میں اپنی معلومات میں اضافہ کرنے لگا۔ معلومات جتنی زیادہ ہوتی گئیں، تجسس بڑھتا گیا اور معلومات کے نئے سے نئے در کھلنے لگے۔

3 ربیع الآخر 1404ھ کو میں نے باقاعدہ اسلام قبول کرلیا۔ میری یہ داستان تبدیلیٔ مذہب کی داستان نہیں بلکہ یوں سمجھیے کہ یہ اسلام کی صورت میں میری اپنی اصل شناخت کی طرف واپسی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب میں بہ حیثیت مسلمان یہ باتیں کہہ رہا ہوں۔

آسٹریلیا کی مسلم آبادی تقریباً 250,000 ہے۔ ان میں سے صرف دو سو آسٹریلوی نژاد ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آسٹریلیا میں اسلام سے دلچسپی بڑھ رہی ہے اور ان شاء اللہ امید ہے کہ آسٹریلیا دنیا کو اس خواب کی حسین تعبیر دے گا جو مقامی مسلمانوں نے دیکھ رکھا ہے۔ ①

[قمر القلب۔ سابق ڈیرل چیمپئن]

(Qamar Al-Qalb, Formerly Daryl Champion)

میرا اسلام سے عہد وفا کیسے استوار ہوا؟

میں 1943ء میں دوسری عالمگیر جنگ کے انتہائی شدید لمحات میں جرمنی کے شہر برلن (Berlin) کے ایک عیسائی گھرانے میں پیدا ہوا۔ اسی سال میرا کنبہ سپین چلا گیا جہاں سے 1948ء میں ہم لوگ ارجنٹینا (Argentina) منتقل ہوگئے اور وہاں میں 15 سال رہا۔ میں نے ہائی سکول کی تعلیم ارجنٹینا کے شہر کارڈوبا (قرطبہ) کے کیتھولک لاسیلی (La Salle) سکول میں حاصل کی۔ جیسا کہ متوقع تھا میں جلد ہی رومن کیتھولک فرقے کا پرجوش ہمنوا بن گیا۔ روزانہ مجھے ایک گھنٹے سے زائد کیتھولک مذہب کی تعلیم دی جاتی اور اکثر دینی اجتماعات میں شرکت کرنی پڑتی۔ 12 سال کی عمر میں، میں رومن کیتھولک پادری بننے کے خواب دیکھنے لگا۔ میں نے خود کو عیسائی مذہب کے لیے مکمل طور پر وقف کردیا تھا۔

---

① یقین انٹرنیشنل، 7 اپریل 1985ء، ج:33، ش:23، ص:271,270

اللہ تعالیٰ میرے احمقانہ اقدام کو دیکھ رہا تھا اور تقریباً سات سال قبل وہ بھی کیسا یادگار دن تھا جب اس کے فضل وکرم سے قرآن پاک کے ہسپانوی زبان میں ترجمے کا ایک نسخہ میرے ہاتھ لگ گیا۔ میرے والد نے اس کے مطالعے پر اعتراض نہ کیا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس سے میں وسیع النظر ہو جاؤں گا اور اپنے معاملات کو بہتر طور پر سمجھ سکوں گا۔ انہیں کلام الٰہی کی اس تاثیر کا علم نہ تھا جو میرے ذہن پر مرتب ہونے والی تھی۔ میں نے جب یہ کتاب مقدس کھولی تو میں اس وقت ایک انتہا پسند رومن کیتھولک عیسائی تھا اور جب میں نے یہ کتاب بند کی تو میں مکمل طور پر اسلام قبول کر چکا تھا۔

صاف ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کے مطالعے سے قبل اسلام کے بارے میں میری رائے اچھی نہ تھی۔ میں نے محض تجسّس کی بنا پر یہ کتاب پڑھنی شروع کی اور اسے حقارت سے کھولا اور میں نے قرآن کریم کی ایک سورت پڑھی۔ توقع تھی کہ اس میں خوفناک غلطیاں' اہانت آمیز کلمات' توہمات اور تضادات نظر آئیں گے۔ میرے دل میں تعصب تھا مگر میں ابھی نوجوان تھا' لہٰذا یہ ابھی اتنا سخت نہیں ہوا تھا۔ شروع شروع میں تو ہچکچاہٹ' پھر شوق اور بالآخر حق پر لبیک کہنے کی شدید تڑپ میرے دل میں پیدا ہوگئی۔ پھر میری زندگی کا بہترین لمحہ آیا جس میں اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت سے نوازا۔ شک کی جگہ یقین کامل' تاریکی کی جگہ روشنی اور عیسائیت کی جگہ اسلام مجھے نصیب ہوگیا۔ قرآن کریم کے مبارک صفحات میں مجھے میرے تمام مسائل کا حل' ضروریات کی تکمیل اور شبہات کا ازالہ مل گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے نور ہدایت کی طرف اس قدر مائل کر دیا کہ میں مزاحمت نہ کر سکا اور بخوشی اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اب ہر بات میرے لیے واضح ہوگئی اور میں ہر بات کا اصل مطلب بھی سمجھنے لگ گیا' حتی کہ اپنے آپ کی' کائنات کی اور اللہ تعالیٰ کی پہچان بھی نصیب ہوگئی۔ مجھے بڑی شدت سے یہ احساس تھا کہ میرے نہایت محبوب اساتذہ نے مجھے دھوکا دیا اور ان کی باتیں بے بنیاد اور جھوٹی تھیں' چاہے وہ اس بات سے آگاہ ہوں یا نہ ہوں۔ میرے عقائد ونظریات کی پوری دنیا ایک ہی لمحے میں چکنا چور ہوگئی اور تمام تصورات پر نظر ثانی کرنا پڑی لیکن میرا دل اب تلخی کے بجائے بے پناہ مسرّت سے معمور تھا

کہ آخرکار میں نے اپنے آقا و مولا کو پالیا ہے اور میرا وجود زندگی اور تشکر سے لبریز ہو گیا۔ میں اب بھی نہایت عاجزی سے اُس کے اس بے پایاں کرم کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اس کی مدد کے بغیر میں ہمیشہ جہالت اور حماقت میں غرق رہتا۔

میں خوشی اور جوش و خروش سے لوگوں کو فوراً اپنے جذبات سے آگاہ کرنے لگا۔ اپنے والدین' سکول کے ساتھیوں اور اساتذہ کو بھی اس متاعِ عزیز کے بارے میں بتایا۔ میں چاہتا تھا کہ ہر شخص کو سچائی کا علم ہو جائے اور ہر شخص جہالت اور تعصب سے پاک ہو کر وہی خوشی محسوس کر سکے جو مجھے ملی تھی۔ مجھے ان کے گرد تعصب کا ایک مضبوط حصار نظر آیا۔ میں نے سچائی کے اور ان کے درمیان ایک موٹی دیوار حائل دیکھی۔ میں اس دیوار کو ہٹا نہ سکتا تھا کیونکہ یہ ان کے دلوں میں قائم تھی۔ ان کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت تھے۔ مجھ سے نفرت کا سلوک کیا گیا' مجھ پر ظلم ڈھائے گئے لیکن جفا شعاروں کی یہ نادانی میں سمجھ نہ سکا۔ مجھے یہ یقین ہو گیا کہ ہدایت صرف اللہ تعالیٰ ہی دے سکتا ہے۔

جتنا زیادہ میں نے دین سیکھا' میرا دل اتنا ہی زیادہ اللہ کے تشکّر سے لبریز ہوتا گیا کہ اس نے مجھے اسلام کی نعمت بخشی' جو کہ ایک مثالی دین ہے۔ میں نے ہر مذہب کی مقدس کتابیں پڑھی ہیں' مجھے کہیں وہ چیز نہیں ملی جو میں نے اسلام میں پائی ہے اور وہ ہے "تکمیل دین"۔ کسی بھی مقدّس کتاب کے مقابلے میں قرآن کریم سورج کی روشنی کے مانند ہے جبکہ ہر دیگر مقدّس کتاب کی روشنی دیا سلائی کی سی ہے۔ مجھے پختہ یقین ہے کہ کوئی بھی شخص جو کلامِ الٰہی کو پڑھتا ہے اور جس کا ذہن سچائی کے لیے مکمل طور پر بند نہیں ہو گیا' وہ مسلمان ہو جائے گا بشرطیکہ اللہ اسے ہدایت سے نواز دے تو اسلام قبول کر کے وہ تاریکی سے روشنی میں آجائے گا......

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلص متلاشیانِ حق کو ہدایت کا نور عطا کر دے۔ اسلام کے بازو انہیں امت کی آغوش میں لینے کے لیے کھلے ہیں جس کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمادیا:

﴿ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ (آل عمران: ۳/ ۱۱۰)

"تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کی گئی ہے۔"

"تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو ساری کائنات کا مالک ہے۔"①

[سیف الدین ڈرک والٹر موسگ' یو ایس اے]
(Saifuddin Dirk Walter Mosig, U.S.A)

میں نے اسلام کا اقرار کیوں کیا؟

میں افریقہ کی اس سرزمین کا احسان مند ہوں جو آفتاب کی کرنوں' ہوا میں سرسراتے پام کے درختوں اور منطقۂ حارّہ کے ماہتاب کی سرزمین ہے جہاں ریتلی زمین پر ننگے پاؤں کی چاپ اور لوگوں کے مسرت بھرے قہقہے ہمیشہ سنائی دیتے رہتے ہیں۔

جب میں پہلی دفعہ اس سرزمین کے اجنبیوں کو فراخ دلی سے خوش آمدید کہنے والے ساحل پر اترا تو میں ایک عام سا انگریز نوجوان تھا جو وقتی خوشیوں میں مگن اور آنے والی زندگی کے تصور سے عاری تھا مگر پانچ سال بعد جب میں تیسری دفعہ برطانیہ واپس گیا تو افریقہ اور وہاں کے لوگوں سے حقیقی خوشی کا راز مجھے مل چکا تھا۔ میرا ایمان یہ ہے کہ حقیقی خوشی کا دوسرا نام اسلام ہے جو کہ واحد سچا دین ہے۔ یہ واحد ایسا دین ہے جسے ایک ذی شعور انسان قبول کر سکتا ہے اور اس پر ایمان ہی دکھی انسانیت کا مُداوا اور ان کو ہدایت کی روشنی فراہم کر سکتا ہے۔

میں افریقہ میں اپنے پہلے سفر کے دوران میں یورپی لوگوں کا سیاہ فام لوگوں سے غیر انسانی سلوک دیکھ کر شرمندہ ہوا کہ وہاں عیسائیت کا نظریۂ اخوت بالکل پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ میں اس ناخوشگوار صدمے پر غور کیے بغیر نہ رہ سکا جس کا سامنا مقامی سیاہ فام باشندوں کو عیسائیت قبول کرنے کے بعد مسیحی مشن کی پناہ گاہ سے نکل کر اپنے سفید فام عیسائی "بھائیوں" میں آکر ہوتا تھا۔ اس احترام' ہمدردی اور دلداری کے بجائے' جس کا ہر انسان مستحق ہوتا ہے اور جس پر عیسائیت کی تعلیم میں بہت زور دیا جاتا ہے' ان نئے عیسائیوں کو اپنے ہم مذہبوں (سفید فام

① اسلام' دی فرسٹ اینڈ فائنل ریلیجن' ص:133-135

عیسائیوں) سے نفرت وعداوت ملتی تھی اور گورے آباد کاروں سے ان کی دوری اپنے غیر عیسائی ہم وطنوں سے بھی زیادہ ہوتی تھی۔

اس کے بالکل برعکس افریقی مسلمانوں میں ایک ہی کنبے کے افراد جیسی موانست دیکھ کر ''ملتِ اسلامیہ'' کی یہ خاص اصطلاح میری نظر میں ایک نئی اہمیت اختیار کر گئی۔ میں سوچنے لگا کہ وہ کون سی چیز ہے جس نے اس ملت کو اتنا متحد و منظم کر رکھا ہے جبکہ ہم عیسائی اپنے زبردست نظریات کے باوجود ایک دوسرے سے اجنبی اور ہر وقت آپس میں لڑنے کو تیار رہتے ہیں۔ افسوس! اس وقت تک میں نے قرآن عظیم کا مطالعہ نہیں کیا تھا۔ یہ درحقیقت وہ وحی الٰہی ہے جو پتھر دل انسان کی آنکھوں میں بھی عقیدت وتشکر کے آنسو بھر دیتی ہے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ نبیٔ اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ اسلامی دنیا کیلئے روشنی کا مینار بن کر آپ کے پیروکاروں کو صراط مستقیم پر چلنا سکھاتا ہے۔

میری پرورش عیسائی عقائد کے مطابق ہوئی تھی۔ میں عیسائی مذہب کا باقاعدہ رکن تھا اور عیسائیت کے مذہبی اجتماعات میں حاضر ہوتا تھا۔ میں آنکھیں بند کر کے نظریۂ تثلیث' نظریۂ کفارہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کا قائل تھا۔ مگر جب میں نے اس معاملے پر ذرا سا غور کیا تو مجھے احساس ہوا کہ میں ان عقائد ونظریات پر ایمان نہیں لا سکتا اور انہیں پیغامِ ربانی نہیں سمجھ سکتا۔ اور جب میں نے دیکھا کہ عیسائیت کے پیروکار محض زبانی جمع خرچ اور بے بنیاد دعووں ہی سے کام چلا رہے تھے اور مذہبی ومعاشی اصولوں کے درمیان جہاں بھی تصادم ہوتا تھا وہاں معاشی مفادات کو ترجیح دی جاتی تھی اور جہاں مذہب اور مالی منافع میں تصادم ہوتا وہاں مذہب کو فوراً پسِ پشت ڈال دیا جاتا۔ یہ دیکھ کر مجھے ایک ایسے مذہب کی ضرورت محسوس ہوئی جس کو میں پورے خلوص کے ساتھ قبول کر سکوں۔

آپ شاید میری اس خوشی کا اندازہ نہ کر سکیں جب میں نے یہ دیکھا کہ اسلام کے بارے میں جو کچھ بھی میں نے پڑھا تھا وہ میرے خیالات کے عین مطابق تھا اور اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات میں میرے تمام سوالات کے تسلی بخش جوابات موجود تھے۔ قرآن حکیم کی ہر ہر سورت نے حق کو مجھ پر پہلے سے کہیں زیادہ واضح کر دیا اور میں نے اللہ کریم کا شکر

ادا کیا کہ اس نے میری تسلیم و رضا کو قبول فرما لیا۔ ①

[سلیم آر ڈی گرے فرتھ]
(Salim R.De Grey Firth)

میں اسلام تک کیسے پہنچا؟

میرے قبولِ اسلام کا سبب قرآن حکیم یا اسلامی لٹریچر کا بالاستیعاب مطالعہ نہیں۔ اسلامی ممالک سے کبھی سابقہ پڑا نہ دوستوں یا رشتے داروں کے کسی ایسے تجربے کی کوئی مثال میرے سامنے تھی۔ بچپن میں، میں بائبل کے عہد نامۂ قدیم کی رو سے حضرت محمد ﷺ کو نبی مانتا تھا۔ مجھے یاد نہیں کہ کون سے موقع پر میں نے پہلے پہل خاتم النبیین ﷺ کا نام سنا۔ بائبل کے عہد نامۂ قدیم میں مذکور انبیاء علیہم السلام اور اللہ کی مطیع قوموں نے سچے دین کی ایک روایت قائم کی تھی اور وہی روایت بعد ازاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ نے دنیا کو منتقل کی۔ لیکن Reformation ② یعنی تحریک اصلاح دین مسیح کے بعد سے پروٹسٹنٹ عیسائیت کی تاریخ مسیحی تفرقہ بازی اور دوسرے مذاہب کی روایات سے نفرت کی تاریخ ہے، جیسا کہ یہ اسلام کی ہمیشہ مخالف رہی اور اس نے نبی کریم ﷺ کو سچا نبی ماننے سے انکار کیا ہے اگرچہ تحریک اصلاح دین کا بانی لوتھر (Luther) جس نے سب سے پہلے پروٹسٹنٹ تحریک کو سیاسی طور پر مؤثر بنایا وہ یقیناً اسلام کی تعلیمات سے متاثر تھا۔

مجھے یہ احساس تھا کہ نہ صرف دین اسلام بلکہ اسلامی تہذیب و تمدن بھی یورپی عیسائیوں کی نظر میں قابل ترجیح ہے اور کئی معروف یورپی شخصیات نے اسلامی اداروں کو بہتر سمجھ کر خفیہ طور پر اس کی نقل کرنے کی کوشش کی ہے، جیسا کہ سینٹ تھامس ایکویناس (St.Thomas Aquinas) جو روم کے کیتھولک مذہب کا داعی و محافظ تھا، اس نے ابن رشد اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

---

① اسلامک ریویو، ستمبر: 1933ء، ج: 21، ش: 9، ص: 285-287

② سولھویں صدی عیسوی کا مذہبی انقلاب جس میں رومی کیتھولک کلیسا میں پھوٹ پڑ گئی تھی اور اس میں سے پروٹسٹنٹ کلیسا الگ ہو گیا تھا۔ (م ف)

جیسے عرب مفکرین کی تحریروں سے بہت استفادہ کیا۔ علاوہ ازیں ہمارے اپنے شاہ چارلس (Charles) دوم نے (17 ویں صدی کے انگریزوں کی معیت میں) جو انقلابی پالیسیاں تجرباتی سائنس اور مذہبی رواداری کے حوالے سے وضع کیں وہ بھی یقیناً اس نے عربوں سے لیں' وہ اسی لیے سلطنت مغلیہ اور فرانسیسی بوربون (Bourbon) بادشاہت کا مداح تھا۔ اس کے دور سے یورپ (یورپی نژاد امریکہ اور یورپی روس کو بھی میں اس میں شمار کرتا ہوں) صنعتی انقلاب' سرمایہ دارانہ تہذیب کے کمالات اور فلسفیانہ الحاد کی مسلسل روایت کو فروغ دے کر دنیا کے پیچھے چلنے کے بجائے قائد بن گیا ہے۔ مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ جو روایات یورپ نے قائم کیں ان میں سے زیادہ تر قابلِ تقلید نہیں۔ یورپی سلطنتیں دنیا بھر میں پھیل چکی ہیں اور محکوم قوموں کے تمدن اور روایات سے سفید فام (گورے) حاکم وحشیانہ سلوک کر رہے ہیں۔ یورپ کی پہلی سلطنت روم کی تھی جو تباہی سے دوچار ہوئی۔ بعد میں یورپی سلطنتوں نے احمق بن کر سلطنت روم کی نقالی کرنے کی کوشش کی۔ اگر سلطنت برطانیہ نے بھی سلطنت روم کی شکل اختیار کر لی تو یہ اس کی بدبختی کی علامت ہوگی۔ کچھ یورپی سلطنتوں نے پروٹسٹنٹ مذہب کی تبلیغ واشاعت کا کام بھی اپنے زیرنگیں ملکوں میں جاری کیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ اس سے اتحاد کے بجائے انتشار پیدا ہوا۔ وسعت نظر کی جگہ تنگ نظری نے لے لی اور بیرون ملک نوآبادیاں قائم کرنے والے ملک اپنے اندرونی معاملات کو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق نہ ڈھال سکے۔

1936-40ء کے عرصے میں اتفاقاً چند مسلمانوں سے میری ملاقات ہوئی تو میں ان کے دین اسلام اور تمام نئے وپرانے' سماجی وعلمی اور سائنسی مسائل کو دین کی مدد سے نمٹانے کی صلاحیت پر ان کا اعتماد دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ 1942ء میں میں نے اسلام کا تھوڑا بہت مطالعہ شروع کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ میں نے جس دین کے بارے میں شک کیا تھا وہ دین واضح طور پر میری توقعات کے عین مطابق نکلا۔ گو اسلام وسیع الظرف اور کشادگی کا حامل ہے اور یہ ایک ایسی زبردست روایت کا حامل ہے جس میں دوسری روایات بھی باقی رہ سکتی ہیں اور ترقی بھی کر سکتی ہیں۔ اس دین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ صرف نبی تسلیم کیا ہے بلکہ انہیں کلمۃ اللہ اور روح اللہ بھی

کہا ہے۔ علاوہ ازیں اگرچہ مسلمانوں میں بھی کچھ نہ کچھ اختلافات موجود ہیں لیکن یہ اختلافات پروٹسٹنٹ عیسائیت کے اختلافات جیسے نہیں ہیں۔ اسلام کے بنیادی اصولوں اور حقیقی اخوت میں کوئی اختلافات موجود نہیں ہیں۔ اتنا تو مجھے اسلام کے باہر رہ کر بھی پتہ چل گیا تھا۔

اکتوبر 1943ء میں مجھے ووکنگ (Woking) کی مسجد میں امام صاحب سے ملاقات کا موقع ملا۔ ان سے تین ملاقاتوں ہی سے ہم دونوں پر یہ بات واضح ہوگئی کہ مجھے اسلام قبول کر لینا چاہیے۔ یوں میں 8 دسمبر 1943ء کو عید الاضحیٰ کے دن اسلام کی دولت سے مالا مال ہوگیا۔

میں جانتا ہوں کہ یہ میری زندگی کا اہم ترین قدم ہے۔ میں اسلام کا عالم وفاضل ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ میں مذاہب کے تقابلی مطالعے سے اسلام تک پہنچا جس میں میری دلچسپی ہمیشہ رہے گی لیکن پہلے مجھے ایک اچھے مسلمان کی سی زندگی بسر کرنے کا طریقہ سیکھنا ہے اور قرآن حکیم کی چند سورتیں حفظ کرنی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اسلام کے بغیر سلطنت برطانیہ کے اہم مسائل کبھی حل نہیں ہوسکیں گے۔ ①

[تھامس ایس ٹفٹن، بی اے۔ کینٹب]
(Thomas S.Tufton, B.A. Cantab)

میرا قبول اسلام

[ڈاکٹر عمر آنجہانی بیرن کرسچین اہرنفیلز (Baron Christian Ehrenfels) کے اکلوتے صاحبزادے تھے جنہوں نے آسٹریا میں جدید ساختی نفسیات ''جیسٹالٹ'' (Gestalt) کی بنیاد رکھی۔ رالف فرائی ہرفون اہرنفیلز (Rolf Freiherr Von Ehrenfels) (ڈاکٹر عمر) کو بچپن ہی سے مشرقی تہذیب وتمدن بالخصوص اسلامی تہذیب وتمدن سے دلچسپی تھی۔ ان کی بہن آسٹریا کی شاعرہ امّا فون بوڈ مرشاف (Imma Von Bodmershof) نے اپنی کتاب "Contribution to Islamic Literature" (مطبوعہ لاہور، 1953ء) میں اپنے بھائی کے حوالے سے اس دور کا ذکر کیا ہے۔ عہد جوانی میں اہرنفیلز نے ریاست ہائے بلقان اور ترکی

① اسلامک ریویو، جون: 1944ء، ج: 32، ش: 6، ص: 194-196

کا دورہ کیا جہاں (عیسائی ہونے کے باوجود) انہوں نے مسجدوں میں جاکر عبادات میں شمولیت کی اور ترکی' البانیہ' یونان اور یوگوسلاویہ کے مسلمانوں کی مہمان نوازی سے مستفید ہوئے۔ رفتہ رفتہ اسلام سے آپ کی دلچسپی بڑھتی گئی اور 1927ء میں آپ نے اسلام قبول کر کے اپنا نام عمر رکھ لیا۔ 1932ء میں آپ نے برصغیر پاک و ہند کا دورہ کیا اور خواتین کے سماجی اور تاریخی مسائل میں گہری دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ آسٹریا واپس جاکر بیرن عمر نے ہندوستان کے مادری نسب کے حامل قبائل کے تہذیبی مسائل میں تخصص کیا اور اینتھروپولوجی (Anthropology) (بشریات) کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن کے سلسلہ کتب میں اس موضوع پر آپ کی پہلی کتاب دسمبر 1941ء میں شائع کی۔

جب آسٹریا پر 1938ء میں جرمنوں نے حملہ کیا تو بیرن عمر ہندوستان آکر حیدر آباد دکن میں کام کرنے لگے۔ مرتب][1]

اسلام کی وہ امتیازی اور نمایاں خصوصیات جن سے میں سب سے زیادہ متاثر ہوا وہ درج ذیل ہیں:

- میرے خیال میں سلسلۂ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے وحی کا تسلسل یہ ظاہر کرتا ہے کہ تمام بڑے مذاہب کا منبع اور ماخذ ایک ہی ہے۔ امن وسکون کے متلاشی لوگوں کو سیدھی راہ دکھانے والے تمام انبیاء علیہم السلام نے ایک ہی بنیادی الوہی تعلیم کی شہادت دی ہے۔
- اسلام کا اصل مفہوم ابدی قانون الٰہی کی اطاعت سے امن وسلامتی کا حصول ہے۔
- کرۂ ارض پر تاریخی اعتبار سے اسلام ہی آخری بڑا عالمی مذہب ہے۔
- نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسلام اور سلسلۂ انبیائے کرام علیہم السلام کے آخری نبی ہیں۔
- اسلام قبول کر لینے سے سابقہ آسمانی مذاہب کی تردید نہیں ہوتی جس طرح کہ ابتدا میں ہندو بدھ مت کو ہندو مت کا تسلسل سمجھ کر قبول کر لیتے تھے۔ یہ تو بہت بعد میں ہوا کہ ہندو مت کے مفکّرین نے بدھ مت کو الحاد قرار دے کر مسترد کر دیا۔ مذاہب کی یہ تفریق انسانوں نے بنا رکھی ہے جبکہ قرآن حکیم کی تعلیمات بنیادی وحدت کے تصور پر زور دیتی ہیں۔ اس وحدت کی

[1] اسلام' دی فرسٹ اینڈ فائنل ریلیجن' ص: 123-124

گواہی دینا تمام بنی نوع انسان کے لیے ایک ہی روحانیت کو تسلیم کرنا ہے۔

❁ اللہ کے سائے تلے عالمگیر اخوت انسانی کا اسلامی تصور نسل پرستی اور فرقہ بندی کے اختلافات سے بالاتر ہے، وہ فرقہ بندی خواہ لسانی، تاریخی، روایت پرستی کی ہو یا مذہبی نوعیت کی۔

❁ اللہ تعالیٰ کا اسلامی تصور اس کا ''رحمٰن'' و ''رحیم'' ہونا ہے جو ماں اور باپ دونوں کی محبت کا احاطہ کرتا ہے۔ ''الرحمٰن'' اور ''الرحیم'' دونوں کا مادہ ''رحم'' ہے۔ لفظ ''رحم'' ماں کی علامت ہے، اس لیے نبی کریم ﷺ نے اپنے اطاعت گزاروں سے یہ ناقابلِ فراموش الفاظ کہے:

''جنت ماں کے قدموں میں ہے۔''①

[ڈاکٹر عمر رالف کیرن اہرنفیلز، پروفیسر بشریات، آسٹریا]

(Dr.Umar Rolf Caron Ehrenfels, Professor of Anthropology, Austria)

میں مسلمان کیوں ہوا؟

انسانی روح کی گہرائیوں میں لامحدود قوت کے مالک اللہ تعالیٰ کے وجود کا شعور موجود ہے۔ ہمارے مذہبی نظریات کا دارومدار کم وبیش ہماری تعلیم وتربیت پر ہے۔ میرے ساتھ بھی بالکل یہی معاملہ ہوا۔ میرے والدین کٹر رومن کیتھولک تھے اور انہوں نے اسی انداز میں میری تعلیم وتربیت کا اہتمام بھی کیا۔ ان کا ارادہ مجھے پادری بنانے کا تھا مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا کہ میں مشرق بعید کے ملک جاوا② (Java) چلا گیا اور وہاں جا کر بذات خود مشاہدے کا موقع نصیب ہوا کہ مسلمان

---

① یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ موضوع ہے دیکھیں سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: 59/2، حدیث: 593 البتہ اس کا مفہوم ایک حسن حدیث میں پایا جاتا ہے، حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس جہاد میں شریک ہونے کے متعلق مشورہ کرنے کے لیے آئے تو آپ نے پوچھا: ''کیا تیری والدہ ہے؟'' انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا: ''اپنی والدہ کی خدمت کرتا رہ، بلاشبہ اس کے دونوں پاؤں کے نیچے جنت ہے۔'' (سنن النسائي، الجهاد، باب الرخصة في التخلف لمن له والدة، حديث: 3106 و سنن ابن ماجه، الجهاد، باب الرجل يغزو وله أبوان، حديث: 2781)

② جاوا ماضی کے جزائر شرق الہند اور موجودہ انڈونیشیا کا سب سے گنجان جزیرہ ہے۔ انڈونیشیا کا دارالحکومت جکارتہ اسی جزیرے میں واقع ہے۔ (م ف)

کس قدر محبت اور وفاداری سے دین اسلام پر عمل پیرا ہیں۔ اس مشاہدے نے میری آنکھیں کھول دیں کیونکہ مجھے معلوم ہوا کہ ہمارے پادریوں کے تمام تر الزامات کے باوجود مسلمان کافر یا بے دین نہیں اور اسلام، جس کو ہمارے پادری غلط رنگ میں پیش کرتے ہیں، اس میں کوئی مذموم عمل نہیں ہے۔ ایک مخلص متلاشی حق ہونے کے باعث میں نے آج سے 6 سال پہلے اسلام کو جھوٹے اور بے بنیاد الزامات اور شکوک سے بچا کر اسے اس کا صحیح مقام دلانے کا کار خیر شروع کیا۔ اس مقصد کے لیے میں نے لندن، پیرس اور برلن کی طرح ہالینڈ میں بھی ایک مسجد تعمیر کرنے کے لیے کچھ مہربان، سخی اور معزز دوستوں سے تعاون حاصل کیا۔ رفتہ رفتہ مجھے یہ احساس ہوا کہ اسلام کے دفاع کے لیے جدوجہد جاری رکھنا ضروری ہے۔ اس عرصے میں، میں نے اپنے بعض سچے مسلمان دوستوں سے اسلام کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل کر لی تھیں اور قرآن حکیم کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ میرا دین ہمیشہ سے اسلام ہی تھا۔

اسلام کے متعلق میرے موجودہ اقرار سے صرف اتنا فرق پڑا ہے کہ اب میں علانیہ ایک مسلمان بن گیا ہوں اور میں اس پر بہت خوش ہوں۔ اب مجھے یہ احساس ہوا ہے کہ میں ان مسلمان بھائیوں میں شامل ہو گیا ہوں جو انسانیت کو فلاح و نجات دلانے کی غرض سے اللہ کی عظمت کے علم بردار ہیں۔ مجھے یہ محسوس کر کے بہت دکھ ہوتا ہے کہ میں نے اس سے پہلے اسلام کیوں نہیں قبول کیا تھا۔ میں اپنی بات اس عہد پر ختم کرتا ہوں کہ آج سے میری زندگی کائنات کے مذاہب میں سے بہترین دین اسلام کے لیے وقف ہے۔

[جے ایل سی ایچ فان بیٹم، محمد علی]
(J.L.Ch.Van Beetem, Muhammad Ali)

[محمد علی 1879ء میں پیدا ہوئے اور بری و بحری فوج میں خدمات سرانجام دینے کے بعد 1919ء میں بطور فرسٹ لیفٹیننٹ ریٹائر ہوئے۔][1]

---

① اسلامک ریویو، ستمبر 1931ء ج:19، ش:9، ص:304

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

اس مختصر مضمون میں، میں مختصراً وہ حالات وواقعات بیان کرنے کی کوشش کروں گا جو بالآخر میرے قبول اسلام کا سبب بنے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ حالات وواقعات میرے مسلمان اور غیر مسلم قارئین کے لیے دلچسپ ثابت ہوں گے۔

میری پرورش بچپن ہی سے مذہبی ماحول میں ہوئی۔ میرے والدین کا ارادہ مجھے پادری بنانے کا تھا مگر اللہ کی مرضی کچھ اور تھی اور میں نے پادری بننے کی بجائے اپنا موجودہ پیشہ اپنالیا' لہٰذا کم ازکم میرے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ میں نے حقائق کا مکمل علم حاصل کیے بغیر اپنا مذہب تبدیل کیا ہے۔

میری تعلیم اور ذریعۂ معاش نے میرے لیے دوسری مصروفیات پیدا کردیں' لہٰذا مجھے پہلے کی نسبت اب مذہب کے مطالعہ اور دیگر امور کے لیے کم وقت میسر ہونے لگا اور نتیجہ یہ ہوا کہ جوں جوں وقت گزرتا گیا' میں اپنے بچپن کے دور کے مذہبی اثرات سے آزاد ہونے لگا۔ میں آزاد ذہن سے سوچنے لگا اور بالآخر مجھے محسوس ہوا کہ مجھے اس مذہب کے بنیادی اصولوں سے بھی اختلاف ہے جسے میں نے اب تک جوں کا توں قبول کررکھا ہے' پھر بھی میں اپنے دینی فرائض ادا کرتا رہا۔

اسی دوران میں جنگِ عظیم چھڑ گئی اور مجھے اپنی رجمنٹ کے ساتھ مشرق وسطیٰ میں متعین کردیا گیا۔ تقریباً 4 سال کے اس عرصے میں خوش قسمتی سے میں نے قاہرہ میں بہت سے دوست بنالیے اور ان خیر خواہ لوگوں سے بحث وتمحیص کے نتیجے میں مجھے ان سے قرآن حکیم کی بعض عبارات کی تشریح سننے کا موقع ملا۔ اس طرح میرے ذہن میں اس نظریۂ حیات کی تخم ریزی ہوگئی جسے چند سال بعد مجھے اپنے دین کے طور پر اپنانا تھا۔

سول ملازمت میں واپس آنے کے بعد میں پھر مطالعہ اور اپنے پیشے سے متعلق کام میں لگ گیا' اس لیے مذہبی معاملات میں تحقیق ومطالعہ کے لیے مجھے بہت کم وقت مل سکا۔ بالآخر جب

مجھے وقت ملا تو معلوم ہوا کہ اب میں عیسائیت کی تعلیمات سے وابستگی برقرار نہیں رکھ سکتا' چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے چرچ جانا چھوڑ دیا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ فی الحال اس سے منسلک رہنا منافقت ہوگا۔

کچھ عرصہ بعد مجھے اپنے مصری دوستوں سے بات چیت یاد آئی' لہٰذا معلومات میں مزید اضافے کے لیے میں نے خاصا وقت قرآن حکیم کے ایک انگریزی ترجمے کے مطالعے کے لیے وقف کر دیا اور جب نبیؐ کریم ﷺ کے کچھ ارشادات میں نے بار بار پڑھے تو میں یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا کہ اسلام کی صورت میں بالآخر مجھے وہ سچا دین مل ہی گیا جس کی مجھے ایک عرصے سے تلاش تھی۔ اس احساس نے زندگی کے بارے میں میرا نقطۂ نظر یکسر بدل دیا۔ مجھے یوں لگا جیسے مسلسل تاریک اور دھندلی راہوں میں بھٹکنے کے بعد بالآخر میں ایک کشادہ اور روشن شاہراہ پر آ گیا ہوں۔

تھوڑے ہی عرصے بعد میں نے ووکنگ (Woking) کی مسجد میں جا کر امام صاحب مولانا عبدالمجید صاحب سے مشورہ کیا۔ میں ان کے قیمتی مشورے اور مدد کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ ان سے مشورہ کرنے کے بعد میں اسلام کی پاکیزہ برادری کا رکن بن گیا (الحمدللہ) یہ کہنا ضروری نہیں کہ قبول اسلام کے بعد مجھے ایک مقصد حیات مل گیا جس نے میری زندگی بدل کر رکھ دی۔

یہاں میں اسلام کے بنیادی اصولوں پر بحث نہیں کرنا چاہتا کیونکہ یہ کام اہل علم کو زیب دیتا ہے تاہم ایک بات کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے اسلام اور عیسائیت دونوں پر عمل ہوتے دیکھا ہے اور مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ جہاں ایک عیسائی اتوار کے دن چرچ میں حاضری دے کر محض ایک سامع کی حیثیت سے پادری کا وعظ سننے کے بعد یہ سمجھتا ہے کہ اس کا اگلے اتوار تک کے لیے دینی فریضہ ادا ہو گیا' وہاں مسلمان روزانہ گھر میں یا مسجد میں نماز ادا کرنے کے لیے اللہ عزوجل کے حضور پیش ہوتے ہیں اور جمعہ میں بھی نماز باجماعت کے باوجود ہر نمازی کی انفرادی عبادت ہی شمار ہوتی ہے۔ اس طرح ہر مسلمان کسی درمیانی واسطے اور رسمی تکلفات کے بغیر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔

میں یہ کہنا چاہوں گا کہ مجھے یقین ہے کہ اگر اس ملک اور دوسرے مغربی ممالک کے لوگوں کو اسلام کا پورا مفہوم سمجھایا جائے تو اسلام کی صفوں میں روز بروز اضافہ ہوگا۔ بدنصیبی صرف یہ ہے کہ آزاد خیال مغربی مفکرین اور دیگر لوگوں کے ذہن میں اسلام کا بہت غلط تصور پایا جاتا ہے اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو محض تبدیلی مذہب کی جرأت نہ کر سکنے کے باعث اپنے دین پر قائم ہیں اور اپنے مذہب کے اصولوں سے اختلافات کے باوجود اسلام قبول نہیں کر رہے۔

ایک عام خیال یہ بھی ہے کہ اسلام صرف دیار مشرق کے لوگوں کے لیے مخصوص ہے اور مغربی معاشرے کی روزمرہ زندگی کے لیے موزوں نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ ایک غلط خیال ہے مگر یہ اکثر لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہے اور ہمیں اس کی عملی طور پر تردید کرنی چاہیے۔ وہ اس طرح کہ اسلام سے ناواقف لوگوں کو اس دولت سے سرفراز کرنے کی خاطر اس حقیقت کی تشہیر کی جائے کہ مجھ جیسے لوگ بھی اسلام قبول کر چکے ہیں اور مزید لوگ بھی اسلام قبول کر رہے ہیں۔ اس طرح ہمارے آیندہ مشرف بہ اسلام ہونے والے اسلامی بھائیوں کو اعتماد اور حوصلہ دیا جا سکتا ہے۔ اگر ہمیں دین اسلام کی مؤثر طور پر اشاعت کرنی ہے تو اس بات اور اس قسم کے دوسرے حقائق کا اظہار اس جریدے کے علاوہ دوسرے ذرائع ابلاغ سے بھی ہونا چاہیے۔

میرے اسلامی بھائیو اور بہنو! ہمیں اس خوابِ غفلت سے بیدار ہونا چاہیے جس میں ہم نے اپنے آپ کو مبتلا کر رکھا ہے۔ ہمیں حجروں سے نکل کر اسلام کی روشنی دنیا بھر کے بے خبر اور بے علم انسانوں تک پہنچانی چاہیے اور ہماری کوششوں کے آغاز کے لیے لندن سے بہتر مرکز اور کون سا ہو سکتا ہے کہ لندن برطانیہ کے قلب میں واقع ہے جہاں سے دین اسلام پوری مغربی دنیا میں پھیل سکتا ہے۔

اس لیے میرے خیال کے مطابق یہ ضروری ہے کہ صرف اسی مقصد کی خاطر وسطی لندن میں اسلام کے شایان شان ایک عمارت حاصل کی جائے جہاں سب مسلمان اکٹھے ہو سکیں اور اس کے علاوہ تشہیر کے ذریعے سے غیر مسلموں کو متوجہ کر کے فاضل علمائے دین کے خطبات سننے اور مسلمانوں کو عبادت میں مشغول دیکھنے کے لیے بلایا جائے۔ اس طرح مسلمانوں کی عبادت

کے بارے میں ان لوگوں کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔

اس قسم کی کوشش کے بغیر اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہو سکے گا کیونکہ ہم اور کسی طرح ان لوگوں سے رابطہ نہیں کر سکتے جو اپنے عقائد سے بدظن ہو چکے ہیں اور ہدایت کے منتظر ہیں۔ بلاشبہ ایسے لاکھوں لوگوں کی ایک مثال تو میں خود ہوں جو اپنے مذہب سے بدظن ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوا ہوں۔ علاوہ ازیں اسلام کا وقار، تشخص اور امتیازی خصوصیات کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔ سلطنت برطانیہ کا دارالحکومت اور دنیا کا مرکز لندن اسلام کے شایانِ شان یادگار عمارت سے محروم رہے؟ یہ ناقابل یقین ہے![1]

[واکر ایچ ولیمز]

(Walker H.Williams)

نماز کی کشش نے مجھے حلقہ بگوش اسلام کر دیا

[جناب عبدالسلام ہینکن قبول اسلام سے پہلے ولیم ہینکن کہلاتے تھے۔ وہ اوائل جوانی ہی میں مراکش کے ایک بزرگ احمد انس کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ ان کے بقول مسیحیت کے عقائد ایک گورکھ دھندا ہیں جبکہ اسلام کا عقیدہ سادہ، سچا اور فطرت کے عین مطابق ہے۔ اپریل 2005ء میں عبدالسلام صاحب لاہور آئے تو ہفت روزہ ندائے ملت نے ان کا ایک ایمان افروز انٹرویو شائع کیا جو معاصر کے شکریے کے ساتھ شامل کتاب کیا جا رہا ہے۔] (محسن فارانی)

سوال آپ کو اسلام کی جانب کس چیز نے مائل کیا؟

جواب میرا نام عبدالسلام ہینکن ہے۔ میں 1961ء میں برطانیہ کے ایک قصبے گرِمزبی میں ایک پروٹسٹنٹ عیسائی گھرانے میں پیدا ہوا۔ میرے والد ولیم ہینکن کا انتقال اس وقت ہوا جب میں ابھی عمر کے ابتدائی حصے میں تھا۔ ایک عیسائی گھرانے میں پیدا ہونے کے باوجود میں اپنے آبائی مذہب کے افکار سے مطمئن نہیں تھا کیونکہ جو سوالات میرے دماغ میں تھے ان کے

① اسلامک ریویو، نومبر 1933ء ج:21، ش:11، ص:365-368

جواب مجھے تسلی بخش اور عقلی طور پر اپنے پروٹسٹنٹ عیسائی مذہب میں نہیں ملتے تھے' اس لیے میں نے ان سوالات کے جواب حاصل کرنے کے لیے باقاعدگی سے تقریباً ہر مذہب کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مغرب میں حقیقتاً مذہب نہیں ہے' عیسائیت کے نام پر بت پرستی ہے یا مکمل طور پر لادینی اور مادہ پرستی۔ ایسے ماحول میں انسان کے دماغ میں کئی قسم کے سوالات جنم لیتے ہیں جبکہ ایک پیدائشی مسلمان اس قسم کی صورتحال سے دوچار نہیں ہوتا۔

سوال برطانیہ میں تو اسلامک سینٹرز ہیں' وہاں سے آپ کو رہنمائی نہیں ملی؟

جواب میرے قصبے ڈاور میں مسلمان نہیں تھے جبکہ لندن میں موجود اسلامی سینٹر میرے علم میں نہیں تھا۔

سوال آپ نے کن مذاہب کا مطالعہ کیا؟

جواب عیسائیت میں کیتھولک مسلک کا مطالعہ کیا۔ اس کے علاوہ یہودیت کا مطالعہ کیا جبکہ ہندوازم' تاؤازم اور بدھ مت کا لٹریچر بھی پڑھا۔

سوال لیکن اگر آپ یہودیت پر ایمان لے آتے تو پھر بھی آپ یہودی مذہب اختیار نہیں کر سکتے تھے کیونکہ یہودیوں کے عقیدے کے مطابق یہودی ہونے کے لیے یہودی ماں کے بطن سے پیدا ہونا ضروری ہے' ایسی صورت میں آپ کیا کرتے؟

جواب ایسا نہیں ہے۔ یہودیوں کے ہاں بھی بہت سے فرقے ہیں' تاہم ایک طرح سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہودی دو طرح کے ہیں: ایک وہ جنہیں آرتھوڈکس یہودی کہا جاتا ہے' یہ بہت بنیاد پرست قسم کے یہودی ہیں۔ یہ تو کسی صورت مجھے قبول نہیں کر سکتے تھے مگر ان کے علاوہ لبرل قسم کے یہودی بھی ہیں' اُن کے ہاں یہودی افکار پیدائشی طور پر غیر یہودی بھی اختیار کر سکتا ہے۔

سوال یہودیت میں آپ کو کوئی کشش نظر آئی؟

جواب بالکل نہیں' یہودیت میں بھی بے شمار چیزیں غیر منطقی ہیں' میں اس سے بھی مطمئن نہ ہو سکا۔

سوال مذہب کی جستجو کرتے ہوئے اسلام کے بارے میں آپ کو شروع میں کیا معلومات حاصل ہوئیں؟

(جواب) شروع میں اسلام کے بارے میں مجھے کوئی خاص بات میسر نہ آ سکی' اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا تعلق جس علاقے سے ہے وہاں مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کے علاوہ مغربی مستشرقین نے جس طرح کی تحقیق اسلام کے بارے میں کی ہے اُس سے انسان مسلمان ہونے کے بجائے اسلام سے دور چلا جاتا ہے۔ یہ تمام تحقیق زیادہ تر ایک مخصوص نقطہ نظر کے تحت کی گئی ہے' اس لیے برطانیہ میں رہتے ہوئے مجھے اتفاقاً ایسا کوئی ادارہ یا کتابیں میسر نہ آ سکیں جو اسلام کے صحیح تعارف کا سبب بنتیں۔

(سوال) اگر برطانیہ میں رہ کر اسلام کے بارے میں آپ کو صحیح تعارف میسر نہ آ سکا تو پھر کس طرح آپ کو اس دین کے بارے میں صحیح آگاہی ہوئی؟

(جواب) میں انسان اور اس کی زندگی کا اصل مقصد جاننا چاہتا تھا۔ اس غرض کی خاطر میں مذاہبِ عالم کا مطالعہ کرتا رہا اور اسی جستجو میں مجھے سفر بھی اختیار کرنا پڑا۔ میں چار مغربی ممالک کے علاوہ ایک مسلمان ملک یعنی مراکش تک جا پہنچا۔ میرے اس سفر کا دورانیہ تقریباً ایک سال بنتا ہے۔ یہ جستجو مجھے مراکش کے شہر فاس میں لے آئی۔ میں فاس کی تاریخی مسجد جامعہ قرویّین کے سامنے کھڑا تھا' نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ میں نے مسلمانوں کو نماز ادا کرتے دیکھا تو میرا بھی دل چاہا کہ میں بھی اِن کی طرح یہ عبادت کروں۔ اسی دوران نماز کا وقت ختم ہوا اور بہت سے لوگوں کی طرح ایک شخص مسجد سے باہر آیا۔ میں نے اس سے سوال کیا کہ کیا میں بھی اس طرح عبادت کر سکتا ہوں تو اُس نے جواب دیا کہ اس طرح نماز ادا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں مگر اس سے پہلے آپ اس دین کے بارے میں تو کچھ جان لیں جس دین میں یہ طریقۂ عبادت ہے۔ مجھے اس کی بات معقول نظر آئی اور میں اس کے ساتھ اس کے ایک دوست کے گھر گیا جہاں انہوں نے مجھے اسلام کے بارے میں بہت سی معلومات مہیا کیں۔ اس طرح مجھ میں اسلام کے بارے میں اور بہت کچھ جاننے کا تجسس پیدا ہوا۔ میں اُن سے اور دیگر علماء سے اسلام کے بارے میں بہت سوالات کرتا جن کا مجھے تسلی بخش جواب دیا جاتا' یوں میں چار دنوں کے اندر مسلمان ہو گیا۔

سوال اسلام سے متعلق کس چیز نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا یا کس خاص بات کی وجہ سے آپ نے مسلمان ہونے کا اِرادہ کیا؟

جواب اس سلسلے میں میرا جواب شاید آپ کے لیے دلچسپ ہو۔ جیسا کہ میں نے شروع میں کہا کہ میں انسان اور اس کی زندگی کے حقیقی مقاصد جاننا چاہتا تھا اور اِن سوالوں کے جواب مجھے کسی مذہب میں عقلی طور پر نہیں مل سکے۔ اس لیے میں کہہ سکتا ہوں کہ میرے اسلام لانے کا اصل سبب یہ ہے کہ مجھے انسان اور اُس کی زندگی کے اصل مقاصد جاننے کے لیے جو جوابات دیے گئے وہ سارے کے سارے عقلی اور منطقی تھے۔ یہی ایک بات میرے اسلام لانے کا سبب بنی۔ اگر تمام چیزیں ٹھیک ہوتیں اور ان میں سے ایک بھی بات غیر عقلی ملتی تو شاید میں کبھی مسلمان نہ ہوسکتا مگر تلاش بسیار کے باوجود اسلام میں مجھے کوئی بات غیر عقلی نہ مل سکی جس پر میں قائل ہو گیا کہ یہی وہ دین ہے جس کی مجھے تلاش تھی۔ یوں میں آج سے تقریباً بائیس برس قبل اسلام لے آیا۔ اُس وقت سے لے کر آج تک میں اسلامی تعلیمات کا ایک طالب علم ہی ہوں اور اس عظیم دین کی حقانیت مجھ پر روز بروز کھلتی جا رہی ہے۔

سوال اسلام کی جستجو میں آپ نے مراکش کے علاوہ کسی اور اسلامی ملک کا سفر کیا؟

جواب جی نہیں، ان دنوں میں نے صرف مراکش تک ہی سفر کیا تھا۔ کئی سال بعد میں نے مصر اور ملائشیا وغیرہ کا سفر اختیار کیا۔

سوال اسلام قبول کرنے کے بعد جب آپ واپس برطانیہ گئے تو گھر والوں کی جانب سے کس طرح کا ردعمل سامنے آیا؟

جواب تمام گھر والے حیران تھے کہ اتنی بڑی تبدیلی کیسے آ گئی۔ مجھے یاد ہے کہ رمضان کا مہینہ تھا اور میرے دوست مجھے کلب لے جانے کے لیے آئے تو اُس وقت انہیں پتا چلا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ اسلام لانے سے پہلے میں دوستوں کے ساتھ کلب جایا کرتا تھا، شراب نوشی کثرت سے کرتا تھا، اسی کام کے لیے میرے دوست مجھے لینے آئے مگر اس مرتبہ میں الحمدللہ روزے سے تھا اور ماضی کی زندگی سے یکسر کنارہ کش ہو چکا تھا۔

سوال والدہ کی جانب سے کیا ردعمل سامنے آیا؟

جواب حقیقت میں میری والدہ نے میرا بہت ساتھ دیا بلکہ جب میں انہیں اسلام کے بارے میں آگاہ کرتا تو وہ بہت غور سے میری بات سنتیں۔ ان کا اسلام کے بارے میں اپنا بھی مطالعہ تھا' چنانچہ 1997ء میں انہوں نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ملائشیا گئیں کیونکہ میرے والد تو آسٹریلوی انگریز تھے مگر والدہ ڈچ یعنی ہالینڈ کی رہنے والی تھیں اور ہالینڈ کے باشندوں کا نوآبادیاتی دور سے انڈونیشیا اور ملائشیا سے قریبی تعلق ہے۔ میری والدہ اسلام قبول کرنے کے چند ماہ بعد ہی ملائشیا میں انتقال کرگئی تھیں۔ ان کی آخری رسومات مکمل اسلامی طریقے سے ادا کی گئیں کیونکہ ان کا انتقال مسلم ملک میں ہوا تھا' اس لیے میں اسے ان کی خوش قسمتی ہی کہوں گا۔

سوال آپ کے خاندان میں والدہ کے علاوہ اور کون مسلمان ہوا؟

جواب میری والدہ کے مسلمان ہو جانے کے چند ماہ بعد میرا چھوٹا بھائی بھی اسلام لے آیا۔ اس کا نام اب ہاشم ہے۔

سوال دائرہ اسلام میں آنے کے بعد آپ کی برطانیہ میں سماجی سرگرمیاں کیسی رہیں؟

جواب اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے باقاعدگی سے اسلام کا مطالعہ شروع کیا کیونکہ اسلام کے بے شمار وسیع شعبے ہیں۔ میرا یہ مطالعہ بائیس سال سے جاری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ میں برطانیہ میں مسلمان ہونے والے نئے افراد کی مدد کرتا تھا' انہیں لٹریچر مہیا کرتا اور دیگر معاملات میں ان کی مدد وغیرہ کرتا۔ میں نے برطانیہ میں موجود کئی اسلامی تنظیموں میں کام کیا۔ برطانیہ کی اسلامک پارٹی میں باقاعدہ شمولیت اختیار کرلی۔ میں نے مشہور برطانوی مسلم ڈیوڈ موسیٰ پیڈکاک یا داؤد موسیٰ کے ساتھ مل کر اس پارٹی میں کام کیا۔ اس کے علاوہ میں نے برطانیہ کی یونیورسٹی میں اسلام کے اقتصادی نظام سے متعلق بھی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد عربی زبان سیکھنے مصر کی جامعہ الازہر بھی گیا۔ یہاں سے قبرص کا سفر اختیار کیا اور وہاں کی درس گاہوں میں اسلام کے معاشی نظام سے متعلق علمی آگاہی حاصل کی۔ میں نے اسلامک فاؤنڈیشن

(یوکے) کے جناب خرم مراد اور پروفیسر خورشید احمد سے کئی ملاقاتیں کیں اور ان سے خاصا استفادہ کیا۔

سوال اسلامک پارٹی میں آپ کی خدمات کا شعبہ کون سا تھا؟

جواب میں اسلامک پارٹی کے اقتصادی شعبے کی ترجمانی کے فرائض انجام دیتا رہا۔

سوال مستقبل میں آپ کے کیا منصوبے ہیں؟

جواب میں اسلام کے اقتصادی نظام سے متعلق کام کرنا چاہتا ہوں' کیونکہ تیسری دنیا خصوصاً مسلم ممالک کو مغربی اقتصادی نظام کے تحت لا کر انہیں تباہی سے دوچار کر دیا گیا ہے۔ سود کی تباہ کاریاں اب ہر جگہ دیکھنے میں آتی ہیں۔ معاشی تعمیر کے نام پر تخریب کاری کی جا رہی ہے۔ اِسی لیے میں نے اس شعبے میں کام کرنے کا عزم کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے اور دیگر مسلمان سکالروں کے تجربات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے معاشی اور اقتصادی نظام پر کتابیں تالیف کروں تاکہ مسلمانوں کو مغربی اقتصادی نظام کی تباہ کاریوں سے آگاہ کیا جا سکے۔

[عبدالسلام ہینکن - ڈاور (برطانیہ)]

باب: ششم

خواتین اسلام کی دہلیز پر

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

میری پرورش چرچ آف انگلینڈ کے عقائد کے مطابق ہوئی اور مجھے یاد نہیں کہ چرچ آف انگلینڈ میں میری اتوار کی عبادت کبھی خطا ہوئی ہو۔ یہ مخصوص عبادت اب اس ملک میں ایک ادارے کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ علاوہ ازیں یہ وہ دن ہوتا تھا جب انسان کو مسلسل اس عبادت کی تاکید اور اس کے علاوہ کچھ اور نہ کرنے کی تلقین کی جاتی تھی۔ ''اتوار کو شرارتی بننے'' سے یوں سختی سے بار بار منع کیا جاتا تھا جیسے اتوار کو کوئی غلط حرکت کرنا دوسرے دنوں کی نسبت زیادہ بڑا گناہ ہو۔ اتوار کی صبح سب سے پہلا فرض چرچ جانا ہوتا تھا۔ جب میں مسیحی عقائد کے کچھ پہلوؤں پر بحث یا ان کے درست ہونے پر اعتراض کرنے لگی تو میرے سوالات اور دلائل کا کسی نے جواب نہ دیا بلکہ مجھ سے یہ کہا گیا کہ مذہب کے بارے میں ایسی پوچھ گچھ نامناسب ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ بائبل اللہ تعالیٰ نے لکھی ہے تو میں نے پوچھا کہ کیا یہ کتاب اللہ نے خود قلم سے لکھی ہے۔ اگر اس نے خود لکھی ہے، تو اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ کہاں ہے اور کیا کسی نے اسے یہ کتاب لکھتے ہوئے دیکھا ہے؟ ایسے سوالات سے میری نیک سیرت آیا خوف زدہ ہو جاتی تھی۔ میرے لیے ایسے مذہب پر عمل کرنا بے لطف اور انتہائی تکلیف دہ تھا جس کے بنیادی عقائد بھی اس قدر خلاف عقل اور ناقابل عمل ہوں۔ میں نہ صرف اپنے معبود سے محبت کا اظہار کرنا چاہتی تھی، بلکہ اس کے متعلق بھرپور دلچسپی رکھتی تھی اور اس کے بارے میں مزید جاننے کی مشتاق تھی کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ میں یہ نظریہ کبھی قبول نہ کر سکی کہ ایک قادر مطلق اور رحمٰن ورحیم اللہ عزوجل نے دنیا کو گناہوں کی سزا سے بچانے کے لیے اپنے بیٹے کو ذلت اور رسوائی کی موت مرنے دیا کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سولی پر لٹکائے جانے سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس عمل کی اجازت دینے والا رب (نعوذ باللہ) قادر مطلق ہو سکتا ہے نہ رحمٰن ورحیم کیونکہ قادر مطلق کو کسی انسان یا دوسری مخلوق کی امداد کی ضرورت نہیں پڑ سکتی اور رحمٰن ورحیم ایک مکمل طور پر معصوم انسان کو دوسرے خطا کار لوگوں کے گناہوں کے کفارے میں جان دیتے دیکھنا گوارا نہیں

کر سکتا۔ علاوہ ازیں اپنے اردگرد لوگوں کو ذوق وشوق سے گناہ کرتے دیکھ کر بھی پتہ چلتا تھا کہ اس معصوم انسان کی قربانی کے باوجود دنیا گناہوں سے پاک تو نہیں ہو سکی۔ جب اس موضوع پر دوسرے لوگوں سے بات ہوئی تو معلوم ہوا کہ ان لوگوں کی نصف تعداد جو عیسائی ہونے کے دعویدار ہیں' دراصل ان تمام عقائد پر ایمان نہیں رکھتی جن پر عیسائیت میں ایمان لانا ضروری ہے۔ وہ عقیدہ تبدیل کرنے یا اپنے بارے میں خود سوچنے کی تکلیف سے بچے رہنا چاہتے ہیں' اس لیے انہیں عیسائیت ہی مناسب لگتی ہے۔ اتوار کی سہ پہر کو مجھے عیسائیت کے بارے میں کچھ سوال وجواب سیکھنے پڑتے یا کوئی مذہبی نظم زبانی دہرانی پڑتی تھی۔ اس کی بجائے اگر مجھے اپنے خالق کے بارے میں کوئی نصیحت آموز باتیں بتادی جاتیں تو کتنا اچھا ہوتا' مگر مجھے اس کی بجائے ایک ایسے مذہب کے عقائد طوطے کی طرح رٹوائے جاتے رہے جس پر میرا ایمان ہی نہ تھا۔

مجھے یہ اطمینان تھا کہ ابھی میری مسیحی توثیق کی رسم (Confirmation)[1] عمل میں نہیں آئی کیونکہ یہ عمل میرے لیے خاصا تکلیف دہ ثابت ہوتا۔ اس کے بعد تو عیسائیت سے آسانی سے خلاصی تقریباً ناممکن ہو جاتی۔ مجھے ''عیسیٰ (علیہ السلام) کے جسم اور خون'' جیسے الفاظ کی تکرار بالکل اچھی نہیں لگتی تھی اگرچہ کیتھولک مذہب کے برعکس پروٹسٹنٹ مذہب میں ''جسم اور خون'' کے الفاظ اصطلاحاً اور تمثیلاً استعمال ہوتے ہیں۔ اس مذہبی رسم کے خیال سے میں بہت پریشان تھی مگر میں نے خفیہ طور پر یہ تہیہ کر رکھا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے میں اپنی مسیحی توثیق نہیں کراؤں گی کیونکہ مجھے ان رسومات سے نفرت تھی۔ اتوار کی شام مقدس گیتوں پر ختم ہوتی تھی اور اس اجتماعی گلوکاری میں شمولیت لازمی تھی۔ اس کی خلاف ورزی کو سخت نافرمانی سمجھا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا کہ جو بچہ اس میں شامل نہ ہو سکے اسے شام ہوتے ہی فی الفور سو جانا چاہیے۔ اس طرح اتوار کا دن بہت طویل اور مشقت طلب بن جاتا تھا کیونکہ اس دن گفتگو' طرز عمل' مصروفیات' عبادات' غرض سب کچھ مخصوص انداز میں کرنا پڑتا تھا۔ ان تکلفات سے میں اتنی

[1] رومی' یونانی اور انگلستانی کلیساؤں کی ایک مذہبی رسم جس میں بشپ بپتسمہ دیتے ہوئے اشخاص کے سروں پر ہاتھ رکھ کر ان کے عیسائی ہونے کی توثیق کرتا ہے اور اس طرح انہیں عیسائی مراعات کا حقدار بناتا ہے۔

بیزار ہوگئی کہ اتوار کے اختتام پر میرا طرز عمل باقی دنوں سے بدتر ہو جاتا۔

مجھے بائبل بالکل اچھی نہیں لگتی تھی۔ اس سے مجھے سکون ملتا نہ تسلی ہوتی اور نہ کسی قسم کا کوئی فائدہ حاصل ہوتا تھا۔ جب میں بڑی ہوئی تو مجھے اس میں اتنے تضادات' غیر معقول قصے کہانیاں اور ناممکن باتیں نظر آنے لگیں کہ اس کے مطالعہ سے راحت اور سکون کی بجائے دکھ اور نفرت کے جذبات دل میں ابھرنے لگے۔ جن لوگوں کو اس کی وضاحت اور ترجمانی کا اہل سمجھا جاتا تھا (مثلاً پادری وغیرہ) وہ میرے سوالات کے جوابات دینے سے قاصر تھے' اس لیے میں سمجھتی تھی کہ اس کتاب کا کیا فائدہ جس میں ایسی کہانیاں' قصے اور خیالی باتیں بھری ہوئی ہیں جن کی وضاحت کوئی نہیں کر سکتا۔ بائبل دراصل درجنوں مختلف مصنفین کی تصنیف ہے۔ سائنس اور علم الارضیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آغازِ تخلیق' کا تذکرہ جس طرح بائبل کے باب پیدائش میں ہے وہ قطعاً ناممکن ہے۔ جب یہ ثبوت بھی فراہم ہو گیا ہے کہ شاہ داود نے مذہبی گیت کبھی نہیں لکھے تھے [1] اور اس طرح کے بعض دوسرے حصے جن لوگوں سے منسوب ہیں انہوں نے یہ تحریریں ہرگز نہیں لکھی تھیں۔ اس طرح بائبل اختراع کرنے میں چونکہ اتنے لوگوں کا ہاتھ ہے تو کس کس کی بات پر یقین کیا جا سکتا ہے۔ بائبل کے برعکس اسلام کی مقدس کتاب قرآن حکیم صرف ایک فرد یعنی حضرت محمد ﷺ کے توسط سے ہم تک پہنچی ہے۔ بائبل کی طرح اس میں کبھی کوئی ردوبدل' تحریف' ترمیم وغیرہ نہیں ہوئی۔ کسی نے اس کی تلخیص پیش کی ہے نہ کوئی خود ساختہ بات اس میں شامل کی گئی ہے' لہٰذا یہ اپنی خالص' غیر متغیر اصل حالت میں آج بھی موجود ہے۔ قرآن حکیم سے اسی بنا پر میں بہت متاثر ہوئی۔ اسلام کے نظریے نے میرے دل کو متاثر کیا' چنانچہ یہی چند وجوہات ہیں جن کی بنا پر میں نے اسلام قبول کیا' جو کہ باعث سکون وفلاح ہے اور تباہی و بربادی سے بچاتا ہے۔ میں نے عیسائیت کو اس لیے چھوڑ دیا کہ اس کے مطالعہ

[1] حضرت داود علیہ السلام پر زبور نازل ہوئی تھی جو سچی آسمانی کتاب تھی' تاہم بائبل میں تحریف کے باعث اس میں شامل زبور یا مزامیر داود کی صحت مشکوک ہے۔ اسی لیے بائبل میں داود علیہ السلام کو ایک نبی کے بجائے محض بادشاہ کہا گیا ہے۔ (م ف)

میں پہلے لفظ سے لے کر آخر تک کوئی ایسی بات نظر نہ آئی جو محرک عمل اور حوصلہ افزا ہو اور سماجی اور اخلاقی رفعت کا احساس دلا سکے۔[1]

[امینہ اینی سپیجٹ' ایک انگریز خاتون]
(Ameena Annie spieget, An English Lady)

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

مجھ سے پوچھا گیا ہے کہ میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟ میرے اسلام لانے کی چند وجوہات درج ذیل ہیں:

پہلی بات یہ ہے کہ مجھے یقین ہے کہ آج کے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل نہیں کر رہے جبکہ انہوں نے میرے ایمان کے مطابق وہی تعلیم دی ہے جو حضرت موسیٰ' حضرت ابراہیم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام نے دی اور یہی تعلیم اسلام کی ہے جس کے معنی ہیں کہ (اپنے آپ کو) اللہ کی رضامندی کے حوالے کر دینا اور رنگ ونسل سے بالاتر عالمگیر اخوتِ انسانی کا قیام عمل میں لانا۔ انسانیت کی نجات کے لیے اللہ تعالیٰ کا زمین پر اتر آنے کا عیسائی نظریہ میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔ یقیناً نجات کا احسن طریقہ یہ ہے کہ انسان محنت' لگن اور عبادت سے اپنے آپ کو اللہ کے حضور پیش کرے۔ مزید برآں عیسائی عقائد کے مطابق اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام (نعوذ باللہ) خدا تھے تو پھر وہ ہمیشہ کیوں کہتے رہے: ''اے اللہ! مرضی میری نہیں تیری چلے گی۔'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بار بار اپنے پیروکاروں کو بتایا کہ میں تو اللہ کی مرضی کے بغیر کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ آپ تو گتھسیمنی (Gethsemane)[2] کے باغ میں ساری ساری رات اللہ سے ہمت اور حوصلہ عطا کرنے کی دعائیں کرتے رہتے تھے اور بعض اوقات بے چین ہو کر پکار اٹھتے: ''میرے مالک تو نے مجھے بے یار و مددگار کیوں چھوڑ دیا؟''

علاوہ ازیں کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی دائیں جانب تشریف فرما ہیں' یہ کیسے ممکن

---

① ''اسلامک ریویو'' جون 1991ء ج:7' ش:6' ص:204-206

② یروشلم کے قریب وہ باغ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دھوکا دیا گیا تھا۔

ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی خدا ہیں۔ انہیں خدا کہنا سراسر حماقت ہے۔ میرے خیال میں اللہ تعالیٰ سب سے اعلیٰ، پوری کائنات پر محیط اور بہت محبت کرنے والا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اللہ کے پیغمبر ہیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کی طرح لوگوں کو راہِ ہدایت دکھانے کے لیے بھیجے گئے تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانیت کی فلاح کے لیے انہی قوانین کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا گیا اور مجھے یقین ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمیت تمام انبیاء علیہم السلام دین اسلام ہی کی تعلیم دینے کے لیے آئے جس کے معنی ہیں ''اپنے آپ کو اللہ کی رضا کے سپرد کر دینا۔'' آج اسلام کے ذریعے سے انسان حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی تعلیمات پر صحیح معنوں میں عمل کر سکتا ہے نہ کہ اس طریقے کے مطابق جس پر دورِ حاضر کے یہود و نصاریٰ کاربند ہیں۔ اسی بنا پر ہم مسلمان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اصل تعلیمات پر عمل پیرا ہیں جب کہ وہ لوگ غلط فہمی کی بنا پر گمراہی میں مبتلا ہیں۔

اب بحیثیت مسلمان میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ میں تمام انبیاء کو محترم سمجھ کر ان سب کے لیے علیہم السلام کہہ سکتی ہوں کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح انہوں نے بھی حیّ و قیّوم ربِ کائنات کی رضا کے آگے جھک جانے کا درس دیا اور جارحیت کی بجائے رواداری اور امن کا پیغام دیا۔ ایمان باللہ پر استقامت سکھائی اور یہ یقین دلایا کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ ہماری بھلائی کس بات میں ہے۔ علاوہ ازیں ہمیں بچوں پر شفقت کرنا اور سچائی کے لیے دکھ جھیلنا سکھایا۔

دین سے غفلت اور اس کی تعلیمات پر صحیح معنوں میں عمل نہ کرنے سے قوموں کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے ہیں۔ لوگ صرف اس بات پر دوسروں سے تعصب رکھنے لگے ہیں کہ وہ ان کے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات پر عمل نہیں کرتے۔ لیکن اسلام میں رواداری جیسی امتیازی خوبیاں ہیں اور اس کی عالمگیر اخوتِ انسانی کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ پس میں کہہ سکتی ہوں کہ میں نے اسلام اس لیے قبول کیا کہ یہ اللہ اور اس کے منصوبۂ ربوبیّت کے بارے میں میرے خیالات کے مطابق ہے۔ یہ واحد دین ہے جسے میں سمجھ سکتی ہوں۔ دراصل یہ اتنا سادہ اور حسین ہے کہ ایک

بچہ بھی اسے بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ ربنا لک الحمد [1]

[آمنہ لی فلیمنگ]

(Amina Le Fleming)

میرا انتخاب اسلام

1928ء میں ایک دن میرے بیٹے نے آبدیدہ ہو کر کہا: ''میں مزید عیسائی نہیں رہنا چاہتا۔ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ اور امی! آپ بھی میرے ساتھ یہ نیا مذہب اپنا لیں۔''

یہ وہ پہلا موقع تھا جب مجھے اسلام سے ناتا جوڑنا پڑا۔ کئی سال بعد میرا رابطہ برلن (Berlin) کی مسجد کے امام صاحب سے ہوا جنہوں نے مجھے اسلام سے متعارف کروایا۔ میں نے یہ تسلیم کر لیا کہ اسلام ہی میرے لیے سچا مذہب ہے۔ میرے لیے 20 سال کی عمر میں بھی عیسائیت کے نظریۂ تثلیث پر ایمان لانا مشکل تھا۔ اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد میں نے رومن کیتھولک رسم کے مطابق پادری کے سامنے اعتراف گناہ ''تقدس مآب'' پوپ کے اقتدار اعلیٰ اور بپتسمہ جیسی رسوم کو بھی مسترد کر دیا اور اس طرح میں ایک مسلم خاتون بن گئی۔ میرے آباؤاجداد عیسائیت کے مخلص معتقد تھے۔ میری پرورش اور تربیت عیسائیوں کے دینی تعلیمات کے ایک ادارے میں ہوئی' لہٰذا مجھے زندگی کے بارے میں مذہبی انداز فکر گویا ورثے میں ملا۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ میں خود کو کسی نہ کسی دینی نظام سے وابستہ کر دوں۔ میں واقعی بہت خوش قسمت تھی کہ مجھے دین اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر کے حقیقی سکون مل گیا۔ آج میں ایک خوش بخت دادی اماں ہوں' اس وجہ سے میں یہ دعویٰ کر سکتی ہوں کہ میرا پوتا بھی مسلمان پیدا ہوا۔ ﴿وَاللّٰهُ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ ''اور اللہ جسے چاہتا سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔'' [2]

[مسز آمنہ موسلر' جرمنی]

(Mrs. Amina Mosler, Germany)

---

① اسلامک ریویو' اکتوبر 1935ء ج:23' ش:10' ص:362,361

② دی مسلم ورلڈ لیگ جرنل' مارچ 1974ء ص:48

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

کئی دوسرے امریکی نومسلموں کی طرح میں بھی ایک عیسائی پس منظر سے نکل کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئی۔ ان دو مذاہب کے درمیان دراصل کئی باتیں مشترک ہیں جو باہم ملتی جلتی ہیں۔ دونوں مذاہب اپنی اصل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منسوب کرتے ہیں۔ دونوں کا آغاز مشرق وسطیٰ سے ہوا۔ ان دونوں مذاہب کے پیروکاروں نے ابتدا میں بہت مشکلات دیکھیں۔ دونوں مذاہب کا ایک ایک نبی ہے اور ان کی تعلیمات ان مذاہب کی بنیاد ہیں۔

ایک عیسائی کی حیثیت سے مجھے یہ بتایا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (نعوذ باللہ) اللہ عزوجل کے بیٹے ہیں۔ ان کی تعلیمات پر یہ عقیدہ حاوی تھا یعنی پیغام سے زیادہ پیغمبر کی اہمیت تھی۔ اسلام میں یہ صورت حال نہیں ہے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے اللہ کا پیغام وصول کیا اور اس کی اشاعت کا وسیلہ بن گئے مگر انہوں نے پیغام کی اہمیت کو کم نہ ہونے دیا۔ آپ کی زندگی مثالی ہے اور ہم سب مسلمان اسی طرح اللہ کے پیغام کو اپنی زندگی پر نافذ کرنے کے پابند ہیں جس طرح نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی پر نافذ کیا۔ آپ کا طرز حیات اور مخصوص حالات میں آپ کا طریقِ کار مسلمانوں کے لیے ایسی مثالیں اور ایسا نمونہ پیش کرتے ہیں جن پر ہم اپنے اعمال کی بنیاد استوار کر سکتے ہیں۔ ہم اس نمونے کی پیروی صرف اللہ کی بہترین طریقے سے اطاعت کرنے کے لیے کرتے ہیں نہ کہ محض پیروی کو مقصد سمجھتے ہیں، مثلاً میں نے اسلام کئی وجوہ کی بنا پر قبول کیا۔ پہلی وجہ قرآن حکیم کی بنیادی صداقت تھی۔ کالج میں جب پہلی بار میں نے قرآن حکیم پڑھا تو اس کے حسنِ بیان اور جامعیت نے مجھے بہت متاثر کیا۔ اسلام کا ایک امتیازی طرز حیات ہے اور اسلامی طرز حیات کا بہترین نمونہ نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ ہے۔ جب میں نے اسلام کا مطالعہ کیا تو آپ کے بارے میں بھی معلومات مجھے مل گئیں۔

تقریباً 4 سال قبل جب میں نے کلمۂ شہادت پڑھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے اسلام کو اللہ کا دین اور نبی اکرم ﷺ کو اس دین کا بہترین عملی نمونہ تسلیم کر لیا تھا۔ میں جانتی تھی کہ میرا

طرز حیات بدل جائے گا اور میرے دوستوں اور میرے خاندان کی طرف سے میرے لیے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ آگے جو کچھ ہونا تھا اس کے بارے میں میرا اندازہ درست نہ نکلا۔

اس ملک کے بیشتر مسلمان باشندے امریکی نژاد نہیں ہیں۔ کئی ایسے خوش نصیب ہیں جو بعض ایسے معاشروں میں رہ کر آئے ہیں جو اگر مکمل طور پر اسلامی نہ تھے تو کم از کم اسلام سے انہیں واقفیت تو تھی۔ جیسا کہ ہم سب کو علم ہے کہ امریکہ میں اسلام سے اتنی واقفیت نہیں ہے۔

جب میں مسلمان ہوئی تو یہ توقع نہ تھی کہ مجھے فوراً اپنے دین میں مہارت حاصل ہو جائے گی لیکن اب شاید ہی کوئی دن ایسا ہو جب کوئی غیر مسلم اس دین کے حوالے سے مجھ سے سوال جواب کا تقاضا نہ کرتا ہو۔ یہ توقع نہ تھی کہ مجھے یوں ہراساں کیا جائے گا مگر اب انتہا پسند عیسائی باقاعدہ مجھے مخاطب کر کے آزردہ باتیں کرتے ہیں اور کئی دوسری باتوں کے علاوہ جہنم میں جانے کی بد دعا بھی دیتے ہیں۔ مجھے اس قدر تعصب کی امید نہ تھی، پھر بھی تنگ نظر لوگ جو حجاب کے باعث میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتے، مجھ سے اکثر گستاخانہ اور تعصب کا سلوک کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ اسلام قبول کرنیوالے افراد میتھوڈسٹ [1] سے پریسبیٹیرین (Presbyterian) [2] فرقہ اختیار کرنے والوں سے کہیں زیادہ مشکلات میں مبتلا ہوتے ہیں۔ کچھ دن ایسے ہوتے ہیں جب مسلمان کے طور پر رہنا آسان ہو جاتا ہے اور یہ آسانی ان دنوں ہوتی ہے جن دنوں میں مسجد جا کر دوسرے مسلمان بھائیوں سے ملتی ہوں اور مجھے پتہ چلتا ہے کہ صرف میں ہی اسلام کی خاطر مشکلات کا سامنا کرنے والی نہیں ہوں بلکہ میرے علاوہ کئی لوگ اور بھی ہیں۔ مسجد کے ماحول میں روزمرہ کی زندگی کی ان مشکلات کو بھلا دینا آسان ہو جاتا ہے۔

لیکن کچھ دن ایسے بھی ہوتے ہیں جب اسلام سے وابستہ رہنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہوں کہ مجھے قوت اور صبر عطا فرمائے۔ مجھے یہ توقع نہ تھی کہ غیر مسلم مجھ

---

[1] پروٹسٹنٹ مسیحی فرقہ جو قربت الٰہی اور خدمت خلق پر زور دیتا ہے۔ یہ 1791ء میں کلیسائے انگلستان (چرچ آف انگلینڈ) سے الگ ہوا اور امریکہ میں خاصا پھولا پھلا۔ (م ف)

[2] مسیحی فرقہ جس کے تمام عہدیدار مساوی مرتبہ رکھتے ہیں، بالخصوص نیشنل چرچ آف سکاٹ لینڈ۔

سے نہ صرف اسلام کے بنیادی اصولوں کے بارے میں بلکہ فروعات اور جزئیات کے بارے میں بھی بار بار پوچھیں گے۔ میں ان سوالوں کا جواب دیتے دیتے اُکتا جاتی ہوں کہ میں حجاب کیوں پہنتی ہوں؟ شراب کیوں نہیں پیتی؟ یا رائی (Rye) کے خصوصی لنچ کے ساتھ خنزیر کا گوشت کیوں نہیں کھاتی؟ مجھے یاد ہے کہ جب مورمن (Mormon) فرقے سے تعلق رکھنے والے میرے افسر نے مجھ سے پوچھا کہ میں کون سے چرچ سے وابستہ ہوں تو مجھے کتنا پریشان ہونا پڑا۔ اس کے بعد دو گھنٹے ہماری گفتگو ہوئی' اس کا موضوع اسلام کی مبادیات بھی تھیں اور کچھ ایسے مسائل بھی تھے جن پر بحث کے لیے میں اس وقت تیار نہ تھی۔

ایسے دنوں کے بعد کبھی کبھی مجھے اپنے آپ پر ترس آنے لگتا ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو ہمیشہ مجھے اسلام کے ابتدائی دنوں میں نبیِ کریم ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مشکلات یاد آجاتی ہیں۔ جس ہمت کا مظاہرہ آپ نے کیا اور جو صبر اور حکمت اللہ تعالیٰ نے ایسے مواقع پر آپ کو عطا کی اس کے خیال سے مجھے تسکین ملتی ہے۔

جہاں اس وقت امریکہ کا ایک اسلامی ریاست بننا بہت مشکل نظر آتا ہے وہاں اتنا ضرور ہے کہ مسلمانوں کی تعداد یہاں بڑھ رہی ہے اور جو جنگیں ہم مسلمانوں کو یہاں لڑنا پڑ رہی ہیں وہ اسلحہ کی جنگیں نہیں ہیں بلکہ جہالت اور غلط فہمیوں کی جنگیں ہیں۔ نبیِ اکرم ﷺ کے ذمے ان لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچانا تھا جو اس کے شدید مخالف تھے' اور آپ کو روایت کا سہارا بھی حاصل نہ تھا جیسا کہ ہمیں حاصل ہے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ آپ کے سامنے کوئی مثال یا نمونہ نہ تھا' جب کہ ہمارے سامنے (آپ کا) اسوۂ حسنہ موجود ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کو قرآن عطا کیا تو اس نے یہ کتاب ایک ایسے انسان کی وساطت سے عطا کی جس کی زندگی تنقید اور الزامات سے بالاتر تھی۔ مسلمانوں کو آج امریکہ یا کہیں اور جتنی بھی آزمائشوں کا سامنا ہے ان سے بڑی آزمائشوں کا سامنا خود رسول اکرم ﷺ کو کرنا پڑا۔ آج ہم جس قدر مجبور و بے بس ہیں اس سے کہیں زیادہ نبیِ اکرم ﷺ اور آپ کے پیروکاروں کو بے بسی کا سامنا کرنا پڑا۔

پس رسول اکرم ﷺ ہمارے لیے بہترین مثال اور قابل اتباع نمونہ ہیں۔ ہم رسول اکرم ﷺ کی زندگی پر جب نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اللہ کی عظمت کا ایک اور پہلو بھی نظر آتا ہے۔ یہ اسی کی مہربانی ہے کہ اس نے ہمیں رسول اکرم ﷺ جیسا اسوۂ حسنہ عطا کیا۔ اللہ عزّ وجل کی خصوصی عنایت اور مہربانی سے آپ نے ہمارے لیے مثالی زندگی بسر کی۔ ہمیں بہت سی مشکلات کا سامنا ہے مگر ہم ان مشکلات میں بے یارومددگار نہیں ہیں۔ ہمیں اللہ نے اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے کی توفیق اور طاقت عطا کی ہے۔ اس توفیق اور طاقت سے کامیابی حاصل کرنے کے لیے کامل نمونہ اور اعلیٰ مثال حضرت محمد ﷺ کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ ①

[عائشہ ڈکرسن]

(Aishah Dickerson)

میں مسلمان کیوں ہوئی؟

پہلے میں نے کئی مذاہب کا مطالعہ کیا اور جانچ پڑتال کی مگر مجھے یہ بھی پتہ نہ چل سکا کہ میں کس جگہ کھڑی ہوں۔ مجھے یوں لگتا تھا جیسے میں ہوا کے دوش پر ادھر اُدھر اڑتا ہوا تنکا ہوں جو پتہ نہیں کہاں جا گرے گا۔ میں سوچتی تھی یہ سب مذہب سچے کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ میں محسوس کرتی تھی کہ ان میں سے ایک مذہب ضرور سچا ہوگا مگر یہ علم نہ تھا کہ وہ کون سا ہے؟ مجھے وہ بات کسی میں بھی نظر نہیں آئی جس کی مجھے تلاش تھی۔ بالآخر میں نے اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور مجھے سکون' دلجمعی اور قناعت نصیب ہوگئی۔ آسمان سے گرنے والی بجلی کے شرارے کی طرح یہ حقیقت میرے دل میں اتر گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا سچا پیغام وقتاً فوقتاً مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کی وساطت سے ہم تک پہنچایا۔ حضرت محمد ﷺ آخری رسول بن کر تشریف لائے' پھر اس کے بعد یہ سلسلۂ انبیاء ختم ہوگیا کیونکہ اللہ کا پیغام مکمل ہوگیا ہے۔ چونکہ اب مزید

① یقین انٹرنیشنل'22 فروری 1986ء' ج:34' ش:20' ص:237,236

کوئی پیغام ضروری نہیں، لہٰذا یہ سلسلہ ختم کر دیا گیا۔

انسان نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے پیغامِ حق کو اپنے گناہوں سے آلودہ کر دیا ہے، اس لیے اسلام سے پہلے کے مذاہب و ادیان (یہودیت، عیسائیت وغیرہ) مسخ شدہ شکل میں ہم تک پہنچے ہیں جبکہ ہم انہیں سچا دین سمجھتے رہے لیکن جب سچا دین اسلام ابدی حقائق کے ساتھ رُونما ہوا تو سب دین منسوخ ہو گئے۔ اب جب ہم پیچھے مڑ کر اپنے سابقہ عقائد کو دیکھتے ہیں تو افسوس ہوتا ہے کہ پادریوں نے اپنے مفادات کی خاطر ہمیں ایک خود ساختہ مذہب کا پابند بنائے رکھا۔ یقیناً ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب نازل ہوگا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ دین اسلام ہمارے قدرتی ماحول کے لیے انتہائی موزوں ہے، یعنی دن، رات، سورج، چاند، ہوا اور بارش کے علاوہ اہل بصیرت کے لیے لاکھوں دوسری نشانیاں فراہم کرتا ہے۔ مگر ہم میں سے کچھ لوگ اتنے بے بصیرت اور متکبر ہیں اور خود غرضی اور دولت پرستی میں اس قدر مبتلا ہیں کہ انہیں قدرت کی یہ نشانیاں نظر نہیں آتیں۔ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب ہم سب اسلام کی صداقت کو واضح طور پر دیکھ سکیں گے مگر اس وقت کچھ کرنے کا وقت گزر چکا ہوگا۔ ①

[پہلی آسٹریلوی خاتون جنہوں نے 1930ء میں علانیہ اسلام قبول کیا]

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

''عیسائیت سے اسلام تک کا سفر''

[محترمہ عائشہ بریجٹ ہنی ''Ayeshah Bridget Honey'' سے ایک انٹرویو]

سوال آپ نے کب اور کس عمر میں اسلام قبول کیا؟

جواب ساڑھے تین سال قبل اللہ تعالیٰ نے مجھے نورِ ہدایت عطا کیا۔ اس وقت میری عمر 21 برس تھی۔

---

① مسلم وائس، فیجی۔ اگست، ستمبر 1982ء

سوال مہربانی فرما کر ہمیں بتائیں کہ آپ نے اسلام کیسے قبول کیا؟

جواب میں جس گھرانے میں پیدا ہوئی اور تربیت پائی وہ مذہبی نقطۂ نظر سے عام برطانوی گھرانوں سے مختلف نہ تھا۔ میری والدہ مذہباً عیسائی ہیں مگر وہ عیسائیت کی عبادات اور رسوم پر عمل نہیں کرتیں۔ تاہم میرے والد کو کسی مذہب پر یقین نہیں تھا۔ بچپن میں، میں نے ایک دینی درسگاہ میں تعلیم حاصل کی اور ان مضامین کا مطالعہ کیا جو انگلینڈ کے چرچ سکولوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔ عموماً ہماری گفتگو کا مذہب سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا تھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے بچپن میں، میں نے اپنے گھر میں کبھی اللہ عزوجل کا نام نہیں سنا۔

میں چرچ سکول کی تعلیم کے دوران میں عیسائیت کے بعض بنیادی عقائد سے کبھی مطمئن نہ ہوسکی، خصوصاً نظریۂ تثلیث اور نظریۂ کفارہ میری سمجھ میں نہ آسکے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کے گناہوں کے کفارے کے طور پر اپنی جان دے دی۔ ان نظریات کے بارے میں، میں نے کئی مباحث اور دلائل سنے مگر جو کچھ میں نے سنا وہ محض حقیقت کا ایک پہلو تھا جب کہ میں مکمل حقیقت کو جاننا چاہتی تھی۔ میرا اسکول ایک عیسائی سکول تھا مگر میں وہاں سے منکر بن کر نکلی۔

مجھے فلسفے کے مطالعے کا بے حد شوق تھا اور سچائی تک رسائی کی تڑپ دل میں موجود تھی۔ جب 15 سال کی عمر میں، میں نے چینی فلسفی تاؤ (Tao) کی کتاب ''تاؤتہ چنگ'' (Taoteh Ching) پڑھی تو میں اس کے خیالات سے بہت متاثر ہوئی۔ پھر جب مجھے بدھ مت کے بارے میں کچھ تعارفی معلومات فراہم ہوئیں تو میں نے تاؤمت اور بدھ مت دونوں کے فلسفیانہ اعتقادات کا گہرا مطالعہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے چین جا کر چینی زبان سیکھنے کا ارادہ بھی کیا مگر 15 سال کی لڑکی جس کے پاس پیسے وغیرہ بھی نہ ہوں، اس کے لیے اتنا لمبا سفر ممکن نہ تھا۔ میری عمر 17 سال ہوئی تو میں نے کینیڈا جا کر وہاں دو سال تک کام کیا اور اتنی رقم کمائی کہ اپنی تعلیم جاری رکھ سکوں۔ میرا پروگرام سیکنڈری سکول کی سند حاصل کرنا تھا تاکہ مجھے چینی زبان سیکھنے کے لیے کسی یونیورسٹی میں داخلہ مل سکے۔

کینیڈا میں مجھے ہندومت کے فلسفے کا پتہ چلا اور میں نے ہندوؤں کی مقدس کتابیں پڑھ

ڈالیں۔ تینوں مذاہب یعنی تاؤمت، بدھ مت اور ہندومت کے نظریات جواب تک میں نے پڑھ لیے تھے ان میں مجھے حسن، گہرائی اور ترفع تو نظر آیا مگر ان میں سے کوئی بھی میرے ذہن یا جذبات کو مطمئن نہ کر سکا۔ اس وسیع و عریض کائنات میں اور روزمرہ کی زندگی میں جہاں لوگ اکٹھے رہ رہے ہیں، یہ تینوں نظریات توازن یا استحکام حاصل نہیں کر سکتے بلکہ پوری طرح ناکام ہیں کیونکہ وہ زندگی کے کسی نہ کسی پہلو کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ تاؤمت فلسفے کا بانی درویش اور جوگی بن کر دنیا کے دور دراز علاقوں تک پھرتا رہا۔ بدھ نے حق کی تلاش میں اپنی بیوی اور خاندان کو چھوڑ دیا۔ ہندوؤں کی کتابیں بنیادی طور پر فقط اخلاقیات سے تعلق رکھتی ہیں، مگر کیا اجتماعی معاشرتی زندگی کے تمام انسانی نظریات محض بے بنیاد توہّمات ہیں؟ (ہندو فلسفہ تو انھیں بے بنیاد توہّم ہی قرار دیتا ہے) اس سوال نے مجھے پریشان کر دیا اور میں ان میں سے کسی بھی فلسفے کو فلسفۂ حیات کے طور پر قبول نہ کر سکی۔ اب میرا مسئلہ یہ تھا کہ میں کس بات پر یقین کروں؟ میں سوچنے لگی کہ زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ کیا زندگی کچھ لوگوں کے کہنے کے مطابق محض ایک حادثے کا نتیجہ ہے؟ اس بے چینی اور پریشانی کی وجہ سے میری راتوں کی نیند حرام ہو گئی۔

اس ذہنی کیفیت کے باعث میری سیکنڈری امتحان میں کامیابی اور لندن یونیورسٹی میں میرا داخلہ بھی بے مقصد ٹھہرا، چینی زبان کی تعلیم کا شوق بھی جاتا رہا۔ یہ درست ہے کہ میں نے چینی زبان سیکھنے کی حسرت پوری کر لی، مگر جس سچائی کی مجھے تلاش تھی وہ ابھی بہت دور نظر آتی تھی۔

یونیورسٹی میں داخلہ لینے کے بعد مجھے مسلمانوں سے متعارف ہونے کا موقع ملا۔ اس سے پہلے میں نے اسلام کے بارے میں کچھ سنا تھا نہ پڑھا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ دوسرے تمام اہل مغرب کی طرح اسلام کے بارے میں میرے دل میں بھی کئی تعصّبات اور غلط فہمیاں موجود تھیں۔ مسلمان طلبہ نے بہت پرسکون اور شائستہ انداز میں اپنے بنیادی عقائد مجھے سمجھائے۔ انہوں نے میرے تمام اعتراضات کے جواب دیے اور مجھے پڑھنے کو کچھ کتابیں بھی دیں۔ شروع میں صرف فارغ وقت میں، میں ان کتابوں کی ورق گردانی کرتی رہی۔ مجھے یہ تفریح طبع اور تحقیر و تنقید کا ذریعہ لگتی تھیں لیکن جب میں نے ان کتب کے بعض حصوں کا بغور مطالعہ کیا تو اس

سے اسلام کے بارے میں میرے شکوک وشبہات رفتہ رفتہ کم ہونے لگے۔

پھر میں نے ان کتابوں کو پوری توجہ سے پڑھنا شروع کیا۔ ان کے اندازِ تحریر اور تشریح و توضیح کی جدت نے مجھے حیران کر دیا۔ خالق، مخلوق اور موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں ان کے دلائل کی معقولیت نے مجھے بہت متاثر کیا۔

اس کے بعد مسلمان طلبہ نے مجھے قرآن حکیم کا انگریزی ترجمہ دیا۔ میں لاکھ کوشش بھی کروں تو وہ تاثر بیان نہیں کر سکتی جو اس کتاب عظیم کے مطالعے سے میرے دل پر مرتب ہوا۔ تیسری سورت کا مطالعہ ختم کرنے سے پہلے ہی میں بے اختیار اپنے خالق کے حضور سجدہ ریز ہوگئی۔ یہ میری پہلی نماز تھی اور اس وقت سے لے کر اب تک میں الحمدللہ مسلمان ہوں۔ اسلام کے بارے میں علم ہونے کے بعد تین ماہ سے بھی کم عرصے میں، میں نے اسلام قبول کر لیا، اس لیے شروع میں مجھے اس کے بنیادی تصورات سے زیادہ کچھ علم نہ تھا۔ اس کے بعد اپنے مسلمان بھائیوں سے میرے سوالات کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوگیا اور ان کے ساتھ میں نے ان سوالات کے متعلق مفصل بحث کی۔

مجھ سے اکثر میرے قبول اسلام کے اہم اسباب کے بارے میں پوچھا جاتا ہے۔ اس سوال کا جواب دینا میرے لیے خاصہ مشکل ہے کیونکہ ایک یورپی مسلمان کے قول کے مطابق اسلام ایک مکمل اور جامع ہندسی شکل ہے جس کا ہر حصہ دوسرے حصے کی تکمیل کرتا ہے اور اس کا اصل حسن ان حصوں کی ہم آہنگی اور معنویت میں مضمر ہے اور اسلام کی یہی خوبی ہے جو انسانوں کو بہت زیادہ متاثر کرتی ہے۔ فاصلے سے دیکھا جائے تو عمومی باتوں میں اسلام کی گہری بصیرت، اس کے مقاصد و اعمال اور اسلامی ریاست کی وضاحت آپ کو حیران کر دے گی اور اگر آپ قریب ہو کر اس کی جزئیات کو دیکھیں تو یہ آپ کو سماجی زندگی کا ایک بے مثال رہنما نظر آئے گا کیونکہ اس کی بنیاد راست بازی اور سچے اخلاقی اصولوں پر قائم ہے۔ مسلمان ہر کام اللہ کے نام سے شروع کرتا ہے اور جب وہ اللہ کو یاد کرتا ہے تو اپنا جائزہ لیتا ہے اور اخلاق و کردار کے اعلیٰ معیار تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح روزمرہ کی دنیاوی زندگی اور مذہب کے تقاضوں کے

درمیان خلا پر ہو جاتا ہے اور دونوں میں توازن وتناسب قائم ہو جاتا ہے۔ اس طرح زندگی اور مذہب ایک دوسرے کے ساتھ متوازن اور ایک دوسرے کی ضرورت بن جاتے ہیں۔

سوال آپ کے قبولِ اسلام پر آپ کے خاندان اور دوستوں کا ردعمل کیا تھا؟

جواب میرے والدین نے میرے قبولِ اسلام کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ پہلے ان کا خیال تھا کہ یہ محض میرا ایک پسندیدہ موضوعِ گفتگو یا شوق ہے جیسے چینی زبان سیکھنے کا شوق تھا' لہٰذا وہ سمجھتے تھے کہ جلد ہی یہ شوق بھی سرد پڑ جائے گا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھے یہ قصہ بھول جائے گا۔ مگر جب وقت نے ان کا خیال غلط ثابت کر دیا اور میرا نیا دین میری سوچ تک محدود رہنے کی بجائے میری عادات اور طرز حیات کو بھی متاثر کرنے لگا تو انہوں نے اس تبدیلی پر افسوس کا اظہار کرنا شروع کیا۔ شراب نوشی اور خنزیر کا گوشت کھانے سے میرے انکار پر وہ ناراض ہوئے اور وہ میرے ہر جگہ سکارف (دوپٹہ) اوڑھنے سے ناخوش ہوئے۔

دراصل مجھے یقین ہے کہ انہیں میرے قبول اسلام پر دوسرے لوگوں کے اعتراضات کی فکر تھی۔ ایمان اور عقیدے کے بارے میں انہیں اتنی فکر نہ تھی' تاہم میری انگریز سہیلیوں کا رویہ اس سے مختلف تھا۔ وہ بحث وتمحیص کی اہلیت رکھتی تھیں اور عقلی دلائل سے ثابت شدہ بات قبول کر لیتی تھیں۔ جب میں نے اسلامی اندازِ فکر اور سماجی زندگی کے اصولوں پر بحث کی تو انہوں نے اس کی معقولیت کو تسلیم کر لیا۔

مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ کچھ سہیلیوں سے تعددِ ازواج اور اسلام کی جانب سے مقررہ حدود پر بحث ہوئی اور میں نے اس ضمن میں مغربی تہذیب کے اصولوں سے اسلامی اصولوں کا موازنہ کیا تو وہ تمام اس بات سے متفق ہوگئیں کہ اسلامی حدود کی پابندی کے ساتھ تعدد ازواج ہی ازدواجی زندگی کے مسائل کا بہترین حل ہے۔

سوال اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کو کسی مشکل یا پریشانی کا سامنا کرنا پڑا؟

جواب جن لوگوں میں سوچنے کی صلاحیت نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے' وہ عام طور پر اسلام سے سخت عناد رکھتے ہیں۔ وہ اکثر مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اگر وہ ان کے سامنے مذاق نہ

بھی اڑائیں تو پس پشت ان کا تمسخر ضرور اڑاتے ہیں۔ دوسری طرف وہ لادین اور منکر لوگوں کے ساتھ الجھنے سے گریز کرتے ہیں بلکہ ان کی ''آزاد خیالی'' کا وہ احترام کرتے ہیں مگر اسلام اور مسلمانوں سے انہیں چڑ ہے۔ اس کے باوجود مجھے کوئی قابل ذکر مشکلات پیش نہیں آئیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں یونیورسٹی کے ''ادارۂ مطالعۂ شرق و افریقہ'' (Oriental and African Studies Institute) کی طالبہ تھی اور جن لوگوں سے میرا واسطہ رہا وہ مذہب اور عقائد کے بارے میں کچھ نہ کچھ جانتے تھے۔ بہر حال مجھے علم ہے کہ بہت سے نئے مسلمانوں کو کیا کیا تکلیفیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔

سوال اسلام قبول کرنے کے بعد آپ نے کس حد تک علم حاصل کیا؟

جواب اسلام کے بارے میں میرا علم ان کتابوں تک محدود رہا جو میری دسترس میں آئیں۔ میں نے مسلمان علماء سے سوالات پوچھ کر بھی بہت کچھ سیکھا۔ میں نے مختلف علاقوں کے مسلمانوں سے بحث کر کے بھی بہت سی معلومات حاصل کیں۔ پچھلے سال میں نے اسلامی فکر اور مغربی فلسفہ کے بارے میں سوڈان کے ایک طالب علم سے بہت کچھ سیکھا۔ یہ طالب علم ہر ہفتے ایک اجلاس منعقد کرتا تھا جس میں دس آدمی شرکت کرتے تھے۔ اس اجلاس میں ہمارا طریقہ کار یہ تھا کہ ہم قرآن حکیم کے اہم تراجم پڑھ کر ان کا قرآن مجید کے اصل عربی متن سے موازنہ کرتے تھے تاکہ ہر آیت کے قریب ترین مفہوم کا تعین کر سکیں۔ پھر مختلف تفاسیر کی روشنی میں خاص طور پر تفسیر طبری کے حوالے سے ہم اپنے فہم کے مطابق اس آیت پر بحث کرتے تھے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے اس سوڈانی بھائی کے یہاں سے جانے کے بعد لندن میں کوئی ایسا آدمی موجود نہیں جس کے پاس اتنا علم یا ولولہ ہو کہ اسی استقامت سے یہ کام جاری رکھ سکے۔

سوال کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ اسلام جدید تہذیب کو متاثر کر سکتا ہے؟ مہربانی فرما کر بتائیں کہ یہ کس طرح جدید تہذیب پر اثر انداز ہو سکتا ہے؟

جواب آج کل مغربی دنیا لاعلمی کے اندھیرے میں سرگرداں ہے۔ امید کی ذرا سی بھی روشنی

اسے میسر نہیں جو انسان کی ذات اور روح کو نجات کی راہ دکھا سکے۔ جو آدمی یورپی معاشرے کی اصل صورت حال سے واقف ہے، وہ اس ہمہ گیر بے چینی اور پریشانی کو دیکھ سکتا ہے جو ترقی اور مادی شان و شوکت کی چکا چوند کے پس منظر میں موجود ہے۔ اب لوگ اپنی مشکلات سے نکلنے کی راہیں تلاش کر رہے ہیں مگر انہیں باہر نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ ان کی جستجو بے ثمر ہے۔ ان کے سامنے ایک ہی راستہ ہے اور وہ تباہی و بربادی کی جانب جانے والا راستہ ہے جس پر وہ پہلے سے چل رہے ہیں۔ اسلام جسم اور روح کے تقاضوں کے درمیان جو حسین ہم آہنگی پیش کرتا ہے، اس میں اہل مغرب کے لیے بہت کشش ہے۔ اسلام تہذیب جدید کو وہ راستہ دکھا سکتا ہے جو کامیابی اور نجات کا راستہ ہے۔ یہ مغرب کے انسانوں کو اصل مقصد دکھا کر اللہ کی رضا کے لیے جدوجہد پر آمادہ کر سکتا ہے اور یہی اس کی اخروی کامیابی کی ضمانت ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا اور آخرت کی کامیابی عطا فرمائے۔

سوال آپ کے خیال میں اسلام کی اشاعت کس طرح ہو سکتی ہے؟

جواب تبلیغ اسلام کی فکر کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنی زندگی اور ضروریات میں وہ معیار حاصل کر لیں جس کا تقاضا ہمارا ایمان کرتا ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر ہم اسلام کے مبلغ بن جائیں تو ہمیں کسی اور چیز کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اسلام سے مکمل واقفیت تبلیغ اسلام کی اولین ضرورت ہے تاکہ ہم مخالفین کے تمام سوالات اور اعتراضات کے جوابات دے سکیں۔ بے شک اسلام کی دعوت عام کرنے کے لیے اسلام کے بارے میں بعض کتابیں پیش کرنا مفید ہے۔ اگر ہم کسی غیر مسلم کو کوئی کتاب دے دیں تو وہ زبانی دلائل اور بحث کی نسبت اسے زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ مگر بدنصیبی یہ ہے کہ انگریزی میں اسلام پر اچھی کتابیں بہت کم ہیں۔ میں دوبارہ یہی کہوں گی کہ مثالی طرزِ حیات، اشاعتِ دین میں بہت مؤثر ثابت ہوتا ہے لہٰذا ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے آپ کو اس طرح کے مثالی انسان بنائیں جیسے قرآن چاہتا ہے۔

سوال برطانوی مسلمانوں کی خاص مشکلات کیا ہیں؟

(جواب) جہاں کوئی پورے پورے برطانوی کنبے اسلام قبول کرلیں تو وہ اسلامی سماجی طرز حیات اپنا کر سکون سے زندگی بسر کر سکتے ہیں مگر جب کوئی غیر شادی شدہ لڑکا یا لڑکی یا شادی شدہ مرد یا عورت اکیلے اسلام قبول کرے تو اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انہیں مسلسل یہ احساس رہتا ہے کہ برطانوی معاشرہ اور اس کا ماحول ان کے لیے اجنبی ہے اور وہ ایک اسلامی معاشرے میں نہیں رہتے۔ چونکہ وہ اسلامی معاشرے میں نہیں رہتے لہٰذا انہیں بر وقت نماز ادا کرنے اور روزے رکھنے میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ اس ضمن میں مسلمان گھرانے اپنی ذمہ داریاں ادا کر رہے ہیں۔ ہمیں ایسے اساتذہ کی بھی ضرورت ہے جو اسلامی تہذیب کا نمونہ ہوں اور نومسلموں کو قرآن پاک کی تفہیم میں مدد دے سکیں۔ کئی نومسلم قرآن کریم کو سمجھنا چاہتے ہیں مگر ان کو اس کام کے لیے مناسب مدد اور وسائل میسر نہیں ہوتے۔ مجھے یہ کہہ کر دکھ ہوتا ہے کہ لندن کا اسلامک کلچرل سنٹر (Islamic Cultural Centre) اس سلسلے میں کچھ نہیں کر رہا۔ اس کام کا تمام تر دارومدار طلبہ پر ہے جن کے پاس اپنی تعلیمی مصروفیات کے باعث دیگر کاموں کے لیے وقت بہت کم ہوتا ہے۔

نوجوان نسل کے مغرب کے جھوٹے طرز حیات سے عشق کا ذکر بھی ضروری ہے۔ وہ اس تہذیب کی ظاہری چمک دمک اور تصنع کے فریب میں گرفتار ہیں۔ یہاں میں اسلام کے مضبوط خاندانی رشتوں اور صاف ستھری سماجی زندگی کا ذکر بھی ضروری سمجھتی ہوں جو مجھے بہت پسند ہے۔ اگر ہم مغرب کی سماجی زندگی سے اس کا موازنہ کریں تو یہ اخلاقی لحاظ سے بہت بلند تر ہے۔ اگر صحیح معنوں میں اسلامی سماجی زندگی کا دور دورہ ہو تو کتنی شاندار بات ہوگی۔

اے اللہ! ہمیں اسلام کے تقاضوں کے مطابق سچا مسلمان بنا۔[1]

[عائشہ برجٹ ہنی، انگلینڈ][2]

(Ayesha Bridget Honey, England)

---

[1] اسلام دی فرسٹ اینڈ فائنل ریلیجن، ص: 149-156

[2] مس عائشہ ایک انگریز نومسلم خاتون ہیں۔ ان کا انٹرویو ابتدا میں جریدے حضارۃ الاسلام (اسلامی تہذیب وثقافت) میں شائع ہوا تھا۔

محترمہ عائشہ کم (Ayesha Kim) سے ایک انٹرویو

[ذیل میں کوریا کی مسلم خاتون عائشہ کم کی داستان کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ ان کا یہ انٹرویو اردو روزنامہ ''جسارت'' میں شائع ہوا تھا۔ ''جسارت'' نے یہ انٹرویو ہفت روزہ جریدہ ''المسلمون'' سے نقل کیا۔ محترمہ عائشہ کم اور ان کے شوہر کے ایمان افروز روحانی سفر کی داستان کے لیے ہم روزنامہ ''جسارت'' اور عربی ہفت روزہ ''المسلمون'' کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ [مرتب]

محترمہ عائشہ کم کا تعلق کوریا سے ہے۔ آپ ایک مستقل مزاج اور ثابت قدم خاتون ہیں۔ آپ کا دل نرم اور حوصلہ مضبوط ہے۔ سچائی کی تلاش کے لیے جدّ و جہد کے دوران میں اسلام کی سنہری کرنیں آپ کے دل کو روشن کر گئیں۔ اس دن سے لے کر آپ مسلسل اسلام کے راستے پر رواں دواں ہیں۔ آج کل آپ کا اسلامی نام عائشہ آپ کی پہچان ہے۔ آپ کوریا کی خواتین خصوصاً کوریا کی طالبات کے لیے ایمان کی روشنی کا مینار بن گئی ہیں۔ آپ انہیں سچائی کی راہ دکھاتی ہیں۔ نور اسلام پہلے آپ کے شوہر کو نصیب ہوا جن کا نام امام مہدی وون (Imam Mahdevoon) ہے اور وہ اس وقت جنوبی کوریا میں ''یونین آف مسلمز'' (Union of Muslims) کے سربراہ ہیں۔ تاہم اندرونی (روحانی) طور پر عائشہ اسلام سے لگاؤ میں ان سے آگے تھیں۔ دونوں میاں بیوی سچ کے راستے پر ایک ساتھ ہی گامزن ہوئے۔

عائشہ کو سچائی جنگ عظیم کی ہولناک تباہ کاریوں کے دوران میں نظر آئی اور اسی وقت آپ نے سچائی کے نور کو حاصل کرنے کے لیے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ آپ نے نبیٔ اکرم ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نام اختیار کیا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ ان کے لیے بجا طور پر باعثِ برکت ثابت ہوگا۔ وہ کہتی ہیں:

''کوریا میں مسیحی مشنریوں کی نظریاتی یلغار کے دوران میں مجھے اسلام کی صورت میں ابدی صداقت نصیب ہوگئی۔''

❁ اسلام سے رابطہ: محترمہ عائشہ جنہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد حج بھی کر لیا ہے'

قدرت نے انہیں اسلام کا زبردست جذبہ عطا کیا ہے۔ قبول اسلام سے قبل پچاس برس تک آپ کو اسلام کے قریب آنے کا موقع میسر نہ آیا۔ بڑھاپے کی عمر تک آپ کو اسلام کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔ آپ جنوبی کوریا میں رہتی تھیں جہاں ابھی تک اسلام متعارف نہیں ہوا تھا۔ بالآخر جب خوش قسمتی سے اسلام کی پرکشش تعلیمات آپ تک پہنچیں تو ان تعلیمات نے آپ کا دل موہ لیا۔ آپ اسلام کے فیضان کا سرچشمہ بن گئیں اور سیول (Seoul) کے کئی لوگوں نے آپ کی وساطت سے اسلام قبول کرلیا۔ آپ نے بتایا:

''کوریا کے ان نومسلموں کی اسلام سے رغبت اتنی واضح ہے کہ جب دلوں کے دروازوں پر ایمان دستک دیتا ہے تو بڑھاپا بھی قبول اسلام کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ اسلام کے سفینے میں ہر اس شخص کی گنجائش موجود ہے جو شوق بھری نظر سے اسے دیکھ لے۔ اسلام انسان کی روح کو ہدایت کی غذا فراہم کرتا ہے اور بالآخر اسے نجات کی وادی میں لے جاتا ہے۔ ایمان کا نور دل کو منور کر کے اسے جوش وجذبے اور ذوق و شوق سے بھر دیتا ہے۔''

❁ **اسلام کی طرف:** 1955ء سے محترمہ عائشہ تبلیغ اسلام میں مصروف ہیں اور غیر مسلموں کو دائرۂ اسلام میں داخل کرتی ہیں۔ اس عرصہ کے دوران میں' جو کہ ربع صدی سے زیادہ ہے' انہوں نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو سیول کے شہر تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسلام کی خاطر پورے ملک کوریا کا دورہ کیا۔

آپ اور آپ کے شوہر کا اسلام کی طرف ابتدائی سفر آسان معاملہ نہ تھا۔ ان سے محبت کی بنا پر لوگ ہر قدم پر انہیں روکنے کی کوشش کرتے رہے۔ گھر والوں نے انہیں ان کے تمام تر مال ومتاع سے محروم کردیا۔ محترمہ عائشہ کے شوہر پر پاگل پن کا الزام لگایا گیا اور زندگی ان کے لیے دوبھر کردی گئی' تاہم ان کا کہنا ہے: ''جن لوگوں کو صداقت کی راہ نصیب ہوجائے' وہ خوف کھاتے ہیں نہ مشکلات' مصائب اور ترغیبات سے ان کے قدم ڈگمگاتے ہیں۔''

جدہ میں ''کورین اسلامک کلچرل سنٹر'' (Korean Islamic Cultural Centre) میں

محترمہ عائشہ سے ڈیڑھ گھنٹے کا انٹرویو لیا گیا۔ آپ کوریا کی کچھ طالبات کے ہمراہ مکہ معظّمہ میں عمرہ کی ادائیگی کے بعد واپسی پر جدہ آئی ہوئی تھیں۔ جب آپ سے اسلام سے وابستگی کے ابتدائی مراحل کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ آنکھیں بند کر کے کچھ دیر سوچتی رہیں جیسے دل کی گہرائیوں میں چھپی ہوئی کوئی چیز تلاش کر رہی ہوں۔ پھر آپ نے ایک گہرا سانس لے کر کہا:

''اسلام سے میری دلچسپی کی داستان مجھے ماضی کے وہ دن یاد دلاتی ہے جو میں نے کوریا میں گزارے۔ میں ایک کٹر قدامت پسند گھرانے سے تعلق رکھتی تھی جو قدیم چینی مذہب کا پیروکار تھا۔ دوسری جنگِ عظیم میں کوریا کو بہت نقصان پہنچا تھا۔ پھر میری امام مہدی وون سے شادی ہوگئی۔ اس وقت ہم دونوں میاں بیوی اسلام سے بہت دور تھے' تاہم مجھے ہمیشہ یہ احساس رہتا تھا کہ ہم حقیقت سے دور ہیں۔'' میرے شوہر نے جاپان کی یونیورسٹیوں میں ادب کی تعلیم حاصل کی تھی۔ طالب علمی کے دور میں انہیں اسلام کے متعلق کچھ معلومات پر مبنی ایک جاپانی مصنف کی کتاب ملی۔ ہم دونوں نے یہ کتاب پڑھ کر محسوس کیا کہ ہماری دلی خواہش ہمیں حقیقی امن وسلامتی کی سمت لے آئی ہے۔ ہم اس ضمن میں جستجو کے دوران عیسائیت' بدھ مت' کنفیوشیت [1] اور شنطومت [2] وغیرہ سے مطمئن نہیں ہو سکے تھے۔''

❁ **چین کا دورہ:** محترمہ عائشہ نے سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا: ''جنگ عظیم کا دائرہ وسیع ہونے پر میں اور میرے شوہر 1939ء میں چین منتقل ہوگئے۔ ایک موقع پر گفتگو کے دوران میں ایک چینی آدمی نے ہم سے پوچھا کہ کیا ہم اسلام کے بارے میں کچھ جانتے ہیں؟ ہم نے نفی میں جواب دیا۔ وہ شخص ہمیں ایک مسجد میں لے گیا جہاں ہمیں عبادت گزاروں اور کچھ دوسرے

---

① کنفیوشیت (Confucianism) کنفیوشس کے اخلاقی نظریات پر مبنی ہے جن میں تقویٰ' عدل اور وفاداری وغیرہ پر زور دیا گیا ہے۔

② شنطومت (Shintoism) جاپان کا قدیم مذہب ہے جس میں مظاہر پرستی اور بالخصوص بڑے لوگوں کی ارواح کی پوجا کی جاتی ہے۔

لوگوں سے ملاقات کا موقع ملا۔ مگر میرے شوہر متذبذب تھے۔ انہیں اپنی روحانی تسکین کے لیے کچھ مزید معلومات درکار تھیں۔ ہمارے پاس اتنا زیادہ وقت نہ تھا کیونکہ اس اثنا میں کوریا نے جاپان سے آزادی حاصل کر لی تھی۔ اس طرح 1945ء میں ہمیں واپس کوریا آنا پڑا۔

❁ **حق کی تلاش فزوں تر ہوگئی:** کوریا پہنچ کر صداقت جاننے کیلئے میری بے چینی بہت بڑھ گئی۔ میرے اندر سے یہ آواز اٹھنے لگی کہ سچ تک پہنچنے کا ایک اور صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ان تمام مذاہب سے بالکل مختلف ہے جن کے بارے میں اب تک میں معلومات حاصل کر چکی ہوں۔

اسی دور میں کوریا کی جنگ چھڑ گئی جس نے پھر ہمیں نقل مکانی پر مجبور کر دیا' مگر اس مرتبہ ہمارا سفر اندرون ملک تھا۔ ہم کوریا کے جنوبی حصے سے نکل کر مغرب کی جانب پوسان (Pusan) کے ساحلی قصبے میں آ گئے۔ جوں ہی سفر ختم ہوا' میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ ہمیں اور ہمارے معاشرے کو صرف دین اور ایمان ہی بچا سکتا ہے۔''

❁ **اسلام کے سائے میں:** محترمہ عائشہ نے قبول اسلام کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا:

''ہمارے ایک دوست عمر کم (Omar Kim) تھے جو اب فوت ہو چکے ہیں۔ انہوں نے علانیہ اسلام قبول کر لیا تھا۔ ابھی جنگ جاری تھی جب انہوں نے ہمیں تاکیداً اسلام قبول کرنے اور اس کی تبلیغ اور فروغ کے لیے کام کرنے کی دعوت دی' یعنی ہم دوسرے لوگوں کو بھی یہ دین قبول کرنے پر آمادہ کریں۔ ہمارے ذہن پر عمر کی باتوں کا بھی اثر ہوا۔ علاوہ ازیں جنگ کے باعث ملک معاشی اور اخلاقی انحطاط میں مبتلا تھا' جھوٹے عقائد اور توہمات اس انحطاط کی بنیاد تھے۔ اس زمانے میں یہ افسوسناک صورت حال ہمارے سامنے تھی۔''

جب ان سے قبول اسلام سے قبل ان کے شوہر کی پریشانیوں کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے مسکرا کر کہا:

''جب اس سلسلے میں میرے شوہر نے مجھ سے مشورہ لیا تو میں نے ان سے کہا کہ کیا آپ کو پہلے یہ پتہ نہیں تھا کہ اسلام ہی واحد راہِ ہدایت ہے؟ مگر وہ کسی ان جانے خوف

اور خدشات میں مبتلا تھے۔ انہیں یہ فکر تھی کہ اس کے بعد ہم دونوں اکٹھے کس طرح رہ سکیں گے۔ میں نے انہیں بتایا کہ جب وہ اسلام قبول کریں گے تو میں ان شاء اللہ ان کا ساتھ دوں گی۔ میں نے یہ لفظ پر اعتماد لہجے میں کہے کیونکہ یہ میرے دل کی آواز تھی۔ میرے شوہر یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ میں اسلام قبول کرنے میں ان سے آگے تھی۔ میرے شوہر اور عمر نے اس وقت کوریا میں متعین ترک فوج کے افراد سے راہ ورسم پیدا کی۔ وہ روزانہ سیول سے تقریباً 20 کلومیٹر دوران سے ملاقات کے لیے جایا کرتے تھے۔ آخر کار ہمارا دشوار گزار سفر ایک دن بخیر انجام کو پہنچا۔ یہ 1955ء کے موسم گرما کے جمعے کا دن تھا اور میرے شوہر نے ترک امام عبد الرحمٰن کی موجودگی میں زبیر کوچی (Zuber Kochi) کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور جمعہ کی نماز ادا کی۔ یہ دونوں حضرات (امام عبدالرحمٰن اور زبیر کوچی) ترک فوج کے افراد تھے۔''

❁ **قبول اسلام کے بعد:** محترمہ عائشہ کہتی ہیں: ''جب میرے شوہر جمعہ کی نماز ادا کر کے آئے تو مطمئن اور خوش نظر آتے تھے۔ میں نے انہیں مبارک باد دی۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے مجھے اُکسانے کے انداز میں کہا کہ تم نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہے؟ تو میں نے کہا: [اَلْحَمْدُلِلّٰہ! اَشْهَدُ اَنْ لَّاالٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ] میں نے یہ عظیم الشان کلمہ تو اس دن پڑھا مگر اللہ گواہ ہے کہ اسلام کی حقانیت کا یقین میرے دل میں اسی دن سے بس چکا تھا جب ہم چین سے واپس آئے تھے' کیونکہ اسلام محبت' حسن معاملت' مہربانی اور عفوودرگزر کا دین ہے۔''

محترمہ عائشہ اپنی کتاب زندگی کے اوراق پُر کیف انداز میں تیزی سے الٹ رہی تھیں۔ محض تجسس کی بنا پر ان سے پوچھا کہ قبول اسلام سے پہلے ان کا کیا نام تھا۔ انہوں نے جواب دیا: ''اس وقت مجھے چو یونگ کم (Chou Yoong Kim) کہا جاتا تھا۔'' اور پھر تیزی سے بولیں: ''نبی اکرم ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قربت محسوس کرنے کے لیے میں نے اپنی زندگی کے نئے سفر میں اپنا اسلامی نام عائشہ رکھا۔''

❁ عائشہ کم کی اولاد: اس کے بعد محترمہ عائشہ نے اپنے بچوں کا ذکر چھیڑا۔ انہوں نے کہا: ''میری صرف دو بیٹیاں ہیں۔ مجھے ڈر تھا کہ ہمارے قبول اسلام پر وہ برہم ہوں گی' مگر پھر مجھے خیال آیا کہ آخر ہم میاں بیوی بھی تو ایک عرصہ تک اسلام سے بیگانہ رہے ہیں۔ فطرت خود رہنمائی کرتی ہے۔ میری بڑی بیٹی کی عمر اس وقت 25 برس تھی۔ اس نے کہا: ''میرا دل تو آپ کے ساتھ دھڑکتا ہے لیکن فی الحال میں اس وقت تک خاموش رہوں گی جب تک آپ اسلام کے بارے میں کچھ اور معلومات حاصل نہ کرلیں۔'' کچھ عرصہ بعد اس نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ پھر اس کا نام یونگ (Yoong) سے جمیلہ رکھ دیا گیا۔ اس کی شادی کوریا کے ایک مسلمان سے ہوئی۔ میری چھوٹی بیٹی نے 20 سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ اس کی شادی بھی کوریا کے ایک مسلمان سے ہوئی۔ اب وہ کوریا میں ہمارے قریب ہی رہتی ہے۔''

❁ آزمائش کا دور: محترمہ عائشہ نے بتایا: ''جس دن میرے شوہر مسجد سے مسلمان ہوکر لوٹے' ہماری زندگی کا ایک اذیت ناک دور شروع ہوگیا۔ میرے شوہر کے خاندان کے لوگ اسلام کے بارے میں بہت متعصب تھے اور انہوں نے شدید مخالفت کا اظہار کیا۔ انہوں نے ہم سے بالکل قطع تعلق کرلیا۔ میرے شوہر کو پاگل قرار دے دیا اور دس سال تک انہیں تمام خاندانی مال اور جائداد سے محروم کیے رکھا۔ آزمائش کے ان کٹھن لمحات میں ہم نے ایک دوسرے کا ساتھ دیا۔ ہم اسلام کی تعلیمات میں مگن رہے جس سے ہماری اسلام سے وابستگی مزید گہری ہوتی گئی۔''

جہاں تک میرے میکے کا تعلق ہے' میں نے یہ سارا معاملہ اللہ کے سپرد کردیا ہے۔ اللہ کرے کہ میں انہیں دائرۂ اسلام میں لے آؤں۔ اپنے محدود وسائل کے باوجود میں اسلامی اصولوں کے مطابق یہ رشتے نبھارہی ہوں۔

❁ قرآن مجید کی تعلیم: قرآن حکیم میں سے میں نے سب سے پہلے سورۂ فاتحہ کا مطالعہ کیا۔ اس سورت نے مجھے اسلام کی عظمت کا احساس دلایا اور اس کے اصولوں کی انفرادیت واضح کی۔ کوریا میں جتنے بھی مذاہب اور عقائد کی تبلیغ کی جارہی ہے ان میں سے کوئی بھی اسلام کا ہم پلہ نہیں ہے۔

❁ **دعوت اور تبلیغ:** ''میں نے کئی کورین خواتین کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا اور ان پر واضح کیا کہ اسلام کس طرح شادی شدہ جوڑوں کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے اور گھریلو زندگی کی کتنی مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔ الحمدُ للہ' میں بہت سی خواتین کو سچائی کا راستہ دکھانے میں کامیاب ہوگئی ہوں۔ ہم نومسلم خواتین کے اجتماعات بھی منعقد کرتے ہیں۔''

تبلیغ اسلام کی راہ میں حائل مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے محترمہ عائشہ کم نے کہا: ''میں خود عربی بولنے میں بہت دقت محسوس کرتی ہوں کیونکہ میں نے یہ زبان بہت دیر سے سیکھنا شروع کی۔ نومسلم خواتین کے لیے عربی سیکھنا ایک مشکل مسئلہ ہوتا ہے۔ اس مشکل پر قابو پانے کے لیے ہم کوریا کے اسلامک کلچرل سنٹر میں شعبۂ عربی قائم کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ نومسلم لڑکیوں کی ایک اور مشکل اکثریت کے مذہب کی بالادستی والے معاشرے میں رہنا ہے' اس لیے ان کی ہمت برقرار رکھنے کی خاطر انہیں مؤثر تحفظ فراہم کرنا ضروری ہے۔ یہ تحفظ صرف مسلمانوں کے تعلیمی اداروں کی صورت میں مل سکتا ہے۔ فی الحال صرف سیول کے شہر میں کوریا کی مسلمان خواتین کی تنظیم موجود ہے۔ یہ خواتین غریبوں کو امداد فراہم کرنے کے پروگرام مرتب کرنے کے لیے فلاحی اجلاس منعقد کرتی ہیں۔ اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ کئی نئے شادی شدہ خواتین و حضرات نے عوام الناس تک اسلام کا پیغام پہنچانے کا عہد کر رکھا ہے۔''

❁ **پرامید مستقبل:** جب کوریا کا تذکرہ ہوتا ہے تو محترمہ عائشہ بڑے جوش وجذبے سے کوریا کے شہروں اور دیہات میں اسلام قبول کرنے والی خواتین کی داستانیں سناتی ہیں۔ جب ان سے ان کی اس ضعیف العمری میں آخری خواہش دریافت کی گئی تو انہوں نے کہا:

''الحمد للہ! میں' میرا شوہر اور میرے بچے اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ہم نے کئی مرتبہ حج اور عمرہ کیا ہے۔ میں نے پہلا حج 1978ء میں کیا تھا۔ اس موقع پر میں نے امت مسلمہ کے حالات کے بارے میں بھی معلومات حاصل کیں۔ اب میں سعودی عرب سے واپس کوریا جارہی ہوں مگر اپنا دل یہیں چھوڑ کر جارہی ہوں۔ میری ہمیشہ سے یہ خواہش رہی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے مبارک شہر کی زیارت کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو۔''

انٹرویو کے اختتام پر ان کی اشاعتی سرگرمیوں کی کامیابی کے لیے دعا کی گئی اور نشست کا اختتام قرآن پاک کی اس آیت پر ہوا:

﴿ إِن يَنصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ﴾ (آل عمران: ۳/ ۱۶۰)

''اگر اللہ تمہاری مدد فرمائے تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا۔''①

[عائشہ کِم۔کوریا]
(Ayesha Kim)

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

سب سے پہلے تو میں یہ کہوں گی کہ میں نے اسلام اس لیے قبول کیا کہ میں بنیادی طور پر ہمیشہ ہی سے مسلمان تھی اگر چہ مجھے اس بات کا علم نہ تھا۔

زندگی کے ابتدائی مراحل میں متعدد وجوہات کی بنا پر میں نے عیسائیت پر ایمان ترک کر دیا تھا۔ سب سے بڑی وجہ تو یہ تھی کہ جب کبھی میں نے عیسائیت کے حوالے سے اپنی کوئی الجھن دور کرنے کے لیے کسی پادری یا عام آدمی سے کوئی سوال پوچھا تو ہمیشہ یہی جواب ملا کہ آپ کو چرچ کی تعلیمات پر کوئی اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ بس جو کچھ بتایا جاتا ہے اس پر ایمان لے آیئے۔ ان دنوں مجھ میں یہ کہنے کی ہمت نہ تھی کہ جو بات میری سمجھ میں نہیں آتی اس پر میں کیسے ایمان لے آؤں اور میرا تجربہ یہ ہے کہ کئی اور لوگ بھی جو عیسائی کہلاتے ہیں' یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ میں نے یہ کیا کہ رومن کیتھولک مذہب اور اس کا تین خداؤں پر ایمان کا نظریہ چھوڑ کر ایک ہی سچے معبود کو ماننا شروع کر دیا جو کہ کلیسا کے تین خداؤں پر ایمان کے مقابلے میں بہت آسان تھا۔ عیسائی تعلیمات کے اسرار و معجزات کے مقابلے میں اب زندگی کا ایک نیا اور وسیع تر مفہوم میری سمجھ میں آ گیا اور مسیحیت کے عجیب و غریب عقائد اور رسوم میری زندگی سے رخصت ہو گئے۔ میں جدھر دیکھتی اللہ ہی کی قدرت نظر آتی۔ اگر چہ میں اپنے سے زیادہ ذہین لوگوں کی طرح اپنی آنکھوں کے سامنے رونما ہوتے قدرت کے معجزے سمجھنے سے اپنے آپ کو عاجز پاتی' مگر میں حیران ہو کر ان معجزوں' درختوں' پھولوں' پرندوں اور جانوروں کو دیکھتی

① یقین انٹرنیشنل' 7 جولائی 1984ء ج:33' ش:5' ص:51-54

رہتی، حتی کہ نوزائیدہ بچہ بھی مجھے ایک خوب صورت معجزہ نظر آتا۔ یہ بات اس عقیدے کے برعکس تھی جو عیسائی کلیسا نے مجھے سکھایا تھا (کلیسا کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان فطری طور پر گناہ گار اور غلیظ ہے۔ مترجم) مجھے یاد آیا کہ بچپن میں کس طرح میں نوزائیدہ بچوں کو دیکھ کر سوچا کرتی تھی: ''یہ بچہ تو گناہوں کی سیاہی میں لتھڑا ہوا ہے۔'' اب میں انسان کی بدصورتی اور فطری معصیت پر یقین نہیں رکھتی۔ مجھے ہر چیز خوبصورت لگنے لگی ہے۔

پھر ایک دن میری بیٹی اسلام کے بارے میں ایک کتاب لائی۔ یہ ہمیں اتنی دلچسپ لگی کہ اس کے بعد ہم نے اسلام پر کئی اور کتابیں بھی پڑھ ڈالیں۔ ہمیں تو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ اسلام محض مضحکہ خیز چیز ہے، لہٰذا اب جو کچھ میں نے اسلام کے بارے میں پڑھا وہ میرے لیے ایک انکشاف تھا۔ کچھ عرصے بعد میں نے کچھ مسلمانوں سے رابطہ کیا اور ان سے دین کے بارے میں چند ایسے سوال پوچھے جو میرے ذہن میں کھٹکتے تھے۔ یہاں پھر ایک انکشاف ہوا۔ میرے تمام سوالوں کے فوراً مختصر جواب دے دیے گئے۔ مجھے عیسائیت کے بارے میں عیسائیوں سے سوالات پوچھنے پر جو مایوسی ہوئی تھی، یہ تجربہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ اسلام کا وسیع مطالعہ اور اس پر بہت غور وخوض کرنے کے بعد میں نے اور میری بیٹی نے محمودہ اور رشیدہ کے نام اختیار کر کے اسلام قبول کرلیا۔

اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ دین اسلام کی کس بات نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا تو غالباً میں یہ کہوں گی کہ نماز نے، کیونکہ عیسائیت کی عبادت میں اللہ تعالیٰ سے عیسیٰ علیہ السلام کی وساطت سے صرف دنیوی نعمتیں مانگی جاتی ہیں جبکہ اسلام کی عبادات (بالخصوص نماز) میں اللہ کی حمد وثنا اور اس کی تمام نعمتوں پر شکر ادا کیا جاتا ہے کیونکہ یہ وہی جانتا ہے کہ ہماری بھلائی کس چیز میں ہے اور ہمیں وہ چیز بن مانگے عطا کر دیتا ہے۔ ①

[مسز سیسلیا محمودہ، کینولی۔ آسٹریلیا]
(Mrs. Cecilia Mahmuda Cannoly- Australia)

---

① اسلام دی فرسٹ اینڈ فائنل ریلیجن، ص: 141-142

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

1934ء میں میرے پیدا ہونیکے کچھ ہی عرصے بعد جرمنی میں عیسائی مذہب (کیتھولک یا پروٹسٹنٹ) ترک کر کے Gottglaubig یعنی ''اللہ پرست بن جانا'' عام روش ٹھہری۔ کہنے کو تو یہ نیا مذہب اللہ پرستی کا تھا' مگر دراصل اس کے برعکس تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب میں تقریباً 7 برس کی تھی تو مجھ سے بڑی ایک لڑکی نے مجھے بتایا کہ اللہ کا کوئی وجود نہیں ہے۔ چونکہ مجھے اس کی بات مستند لگتی تھی اور اس کے علاوہ تھوڑا ہی عرصہ قبل مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ سانتا کلاز (Santa Claus)[1] محض بچوں کے لیے ایک اختراع ہے۔ یوں میری تمام تر توجہ دین سے ہٹ کر دنیا پر مرکوز ہوگئی۔ ادھر دنیا اس وقت بچوں کی سمجھ سے بالاتر حالات سے دوچار تھی۔ جنگ عظیم دوم چھڑنے کے باعث روزانہ بم گر رہے تھے اور والد صاحب کبھی کبھار ایک دو دن کے لیے گھر آتے تھے۔ والدہ صاحبہ ہمارے ''بے چارے سپاہیوں'' کے لیے جرابیں اور دستانے بُنتی رہتی تھیں۔ ہمارے پڑوس میں ایک بہت بڑے گھر کو ہسپتال میں تبدیل کر دیا گیا جہاں جنگ میں زخمی ہونے والے سپاہیوں کا علاج ہوتا تھا۔ جب جنگ ختم ہوئی تو اجنبی لوگوں نے آ کر ہمارے گھر پر قبضہ کر لیا۔ امریکہ سے جنگی فلمیں آنے لگیں جنہیں دیکھ کر میرا دل پگھل جاتا تھا۔ مجھے یہ سمجھ نہیں آتی تھی کہ جنگ میں کون حق پر تھا اور کون ناحق؟ مجھے یہ سب کچھ ظلم اور بے معنی خون خرابہ نظر آتا تھا۔ ہزاروں سوال تھے جن کا تسلی بخش جواب کوئی بھی نہیں دے سکتا تھا' لہٰذا میں اپنے رب کو تلاش کرنے لگی۔ مگر تمام تر کوشش کے باوجود رب مجھے کیتھولک مذہب میں نظر آیا نہ پروٹسٹنٹ فرقے میں اور نہ ہی ''جیہووا کے گواہوں'' میں۔ میرے لیے ان مذاہب میں رب کے قریب ہونے کا راستہ بند تھا کیونکہ یہ تمام مذاہب ایسے عقائد پر ایمان

---

[1] کرسمس کی علامتی شخصیت جو سرخ لباس میں تنومند' سفید ریش اور خوش مزاج بزرگ کا رُوپ دھارے ہوتی ہے اور کرسمس کی رات بچوں کے لیے تحفے تقسیم کرتی ہے۔

لانے کی تاکید کرتے تھے جن پر یقین کرنا میرے لیے ناممکن تھا اور یہ ایسے احکام کی تعمیل کا تقاضا کرتے تھے جن کی تعمیل عملاً ناممکن تھی۔ اور پھر میں ایسے دین کو کیوں قبول کر لیتی جس میں شروع ہی سے مجھے بتایا گیا تھا کہ میں اس کے اعلیٰ معیار تک نہیں پہنچ سکتی کیونکہ مجھے ناقص ہی تخلیق کیا گیا ہے۔

مجھے آج بھی یہ ایک معجزہ لگتا ہے کہ اتنی لڑکیوں میں سے صرف مجھے ہی وہ یورپی نوجوان ملا جس نے سات سال قبل اسلام قبول کیا تھا۔ پہلی ملاقات ہی میں' میں نے ان صاحب سے ان کے مذہب کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے اسلام کا نام لیا تو میں نے ان سے کہا کہ مجھے اسلام کے بارے میں کچھ بتائیے۔ دوسرے مذاہب سے مایوسی کی وجہ سے میں اس وقت سخت بے دین ہو چکی تھی' پھر بھی جب انہوں نے مجھے لفظ ''مسلمان'' کے معنی بتائے کہ مسلمان وہ ہوتا ہے جو اپنی مرضی سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت قبول کر لے' تو میرا خوابیدہ ضمیر جاگ اٹھا۔ پھر انہوں نے مجھے وضاحت سے بتایا کہ تمام انسان' جانور' پودے غرض یہ کہ کائنات کی ہر چیز فطرتاً مسلمان ہے کیونکہ ہر چیز اللہ کے احکام کی پیروی کرتی ہے۔ کھانے' پینے اور افزائش نسل وغیرہ سے متعلق اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کی خلاف ورزی کا نتیجہ تباہی اور ہلاکت ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ صرف انسان ہی وہ مخلوق ہے جو روحانی اعتبار سے بھی اسلام قبول کر سکتا ہے۔ یہ مادی زندگی کے برعکس ہے جس میں عملاً اس کو اپنی مرضی کا اختیار حاصل نہیں بلکہ جانوروں اور پودوں کی طرح اپنے فطری تقاضے پورے کرنا پڑتے ہیں۔

یہ تمام اسلامی تعلیمات میں پائی جانے والی حیران کن منطق اور خالص عقلِ سلیم تھی جس نے مجھے اس قدر متاثر کیا' اور یہ ان پہلے چند بنیادی نظریات میں بھی آشکار تھی جن سے میں آشنا ہوئی اور اسی طرح ان کتابوں میں بھی تھی جو میں نے آنے والے برسوں میں پڑھیں۔ اگرچہ جرمن زبان میں اسلام کے بارے میں تعصب سے پاک لٹریچر بہت کم ہے مگر اس نوجوان نے ان کتابوں کے علاوہ میری بہت مدد کی۔ وہ مختلف باتوں کی وضاحت کرنے اور میرے سوالوں کے جواب دینے سے کبھی نہ اکتاتا۔ وہی نوجوان اب میرا شوہر ہے۔ محمد اسد

صاحب کی کتاب "The Road To Mecca" (شاہراہ مکہ) نے مجھے اسلامی احکام کے مکمل مفہوم سے آگاہ کیا اور اس طرح مجھے ایک مُسلمہ بننے میں بہت مدد دی۔ ①

[فاطمہ ہیرن۔ مغربی جرمنی]
(Fatima Heeren- West Germany)

میں قافلۂ اسلام میں کیسے شامل ہوئی؟

محترمہ فاطمہ میک ڈیوڈسن (Fatima Mik Davidson) جمہوریہ ٹرینی ڈاڈ اور ٹوباگو (Trinidad and Tobago) ② کے محکمہ سوشل ڈویلپمنٹ اور لوکل گورنمنٹ کی وزیر مملکت ہیں۔ قاہرہ کے معروف عربی رسالے ''منبرالاسلام'' کو انٹرویو دیتے ہوئے محترمہ فاطمہ میک ڈیوڈسن سابق مسز ماڈل ڈونافیمک ڈیوڈسن (Mrs. Model Donafamik Davidson) نے اسلام سے اپنے غیر متوقع تعارف اور بالآخر قبول اسلام کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔ انہوں نے کہا: ''میں یہ بات ہرگز تسلیم نہیں کرتی کہ میں نے 1975ء میں عیسائیت کو ترک کر کے اسلام قبول کرلیا۔ دراصل میں آج تک یہ نہیں سمجھ سکی کہ یہ تبدیلی کب ہوئی۔ آیئے آپ کو پیچھے 9 مارچ 1950ء تک لے چلوں۔ یہ وہ دن تھا جب مجھے ایک عیسائی خانقاہ میں داخلہ لینا تھا۔ اس دن صبح جب میں اٹھی تو میں نے اپنے کانوں میں ''اللہ اکبر، اللہ اکبر'' کی آواز گونجتی سنی اور اس سے میرے پورے وجود پر ایک وجد سا طاری ہوگیا۔ لیجیے! میں اسلام کی طرف لوٹ آئی۔

مجھے یہ علم نہ تھا کہ یہ آواز کیا تھی مگر میں نے اس خانقاہ میں داخلہ لینے سے انکار کر دیا۔ اس

---

① اسلام دی فرسٹ اینڈ فائنل ریلیجن، ص: 147-149

② ٹرینی ڈاڈ اور ٹوباگو نامی دو جزیروں پر مشتمل یہ ملک براعظم جنوبی امریکہ کے شمال میں بحیرۂ کیریبین کے اندر جزائر غرب الہند (ویسٹ انڈیز) میں واقع ہے۔ ''ٹرینی ڈاڈ'' کے معنی ہیں تثلیث (تین خداؤں) کا دیا ہوا۔ اسے یہ نام کولمبس نے دیا تھا۔ (م ف)

کے بعد میں کئی سال تک اللہ سے ہدایت کی دعا مانگتی رہی تا آنکہ مجھے قرآن حکیم کا ایک مترجم نسخہ حسنِ اتفاق سے مل گیا۔ میں فوراً اس پر ایمان لے آئی۔ پھر مجھے ایک پاکستانی عالمِ دین مولانا صدیق اور ہندوستان کے ایک صاحبِ علم شیخ انصاری سے ملاقات کا موقع ملا۔ میں نے ان سے فطرت اور اپنے دلی احساسات کے حوالے سے مفصل گفتگو کی' یہاں تک کہ یہ فاضل علماء پکار اٹھے: ''الحمدللہ! آپ تو مسلمان ہیں۔ اب آپ ایک مسلمان خاتون ہیں' آپ جو چاہیں پڑھ لیا کریں۔ مسجد میں جا کر نماز بھی پڑھ لیا کریں۔ جب کبھی آپ کچھ سیکھنا چاہیں' ہم آپ کو خوش آمدید کہیں گے۔''

❁ **ایمان سراسر مسرت:** اس اظہار سے میں بہت خوش ہوئی۔ اس دن سے میرا دل ایمان کی حلاوت اور نبیٔ اکرم ﷺ سے محبت وعقیدت سے چھلک رہا ہے۔ اگرچہ رسمی طور پر میرے قبول اسلام کا سال 1975ء ہے مگر میں گزشتہ 33 سال سے مسلمان ہوں' یعنی اس دن سے جب میرے کانوں میں ''اللّٰہ اکبر'' کی صدا گونجی اور میں نے خانقاہ میں داخلہ لینے سے انکار کر دیا۔ میرے دل نے پکار کر کہا: (اللّٰہ اکبر) ''اللہ سب سے بڑا ہے۔''

میں پہلی سیاہ فام لڑکی تھی جو مسجد میں داخل ہوئی۔ اس سے کئی مسلمان لڑکیوں کو مسجد میں، خاص طور پر مسجد انجمن جامع سناتل (Sanatal) میں جا کر عبادت کرنے کا حوصلہ ملا' جس کی بنیاد عالم وفاضل ڈاکٹر شیخ انصاری نے ٹرینی ڈاڈ کے شہر فرانسس (Francis) میں رکھی تھی۔ اس انجمن کے موجودہ چیئرمین الحاج شفیق محمد ہیں۔ اس سے پہلے وہاں کے لوگوں کا خیال تھا کہ اسلام ہندوستان کے مختلف مذاہب وعقائد میں سے ایک عقیدے کا نام ہے۔ ان کی نظر میں قادیانیت اور احمدیت زیادہ اہم تھیں۔ [1]

بعد میں جزائر ٹرینی ڈاڈ اور ٹوباگو کے بہت سے لوگوں نے جن میں سے اکثر افریقی نژاد تھے' اسلام قبول کر لیا حتی کہ مسلمانوں کی تعداد کل آبادی کا 13 فیصد ہوگئی' جبکہ جمہوریہ ٹرینی ڈاڈ اور ٹوباگو میں 31 فیصد کیتھولک' 27 فیصد پروٹسٹنٹ' 6 فیصد ہندو اور 23 فیصد دیگر مذاہب کے لوگ ہیں۔''

---

[1] قادیانی یا احمدی' جو کچھ بھی وہ کہلائیں' پاکستان کے آئین میں انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا ہے۔ (مرتب)

✿ **فرائضِ منصبی پر اسلام کا اثر:** ایک ایسی ریاست جہاں مسلمان اکثریت میں نہیں، وہاں اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے حوالے سے محترمہ فاطمہ مک ڈیوڈسن نے کہا: ''اسلام ہم سے خلوص اور مستعدی کے ساتھ اپنے فرائض ادا کرنے کا تقاضا کرتا ہے اور میں مکمل خلوص کے ساتھ اسلامی تعلیمات پر عمل کرتی ہوں۔ میں اپنے دفتری کام یا ذاتی زندگی میں جھوٹ نہیں بولتی۔ میں اپنی استعداد کے مطابق اور مکمل احساس ذمہ داری کے ساتھ خلافِ اسلام کوئی بھی کام کرنے سے گریز کرتی ہوں۔ جہاں تک میرے فرائض منصبی پر میرے قبول اسلام کے اثر کا تعلق ہے تو اسلام اس سلسلے میں ایک نعمت اور اچھائی ثابت ہوا ہے۔

ہمارے سابق وزیراعظم نے مجھے مصر کا دورہ کرنے کی ہدایت کی کیونکہ یہ شہرہ آفاق یونیورسٹی ''جامعۃ الازھر'' کی سرزمین اور تہذیب کا منبع ہے۔ وزیراعظم موصوف اسلام کے بارے میں بہت سی باتیں بتایا کرتے تھے۔

جب میں نے اپنے موجودہ وزیراعظم سے کہا کہ مجھے بہ حیثیت وزیر مملکت برائے سوشل ڈویلپمنٹ اور لوکل گورنمنٹ مصر جانے کی اجازت دی جائے تو انہوں نے میری گزارش قبول کرتے ہوئے مجھے ''جامعۃ الازھر'' اور ''سپریم کونسل آف اسلامک افیئرز'' (Supreme Council of Islamic Affairs) کا دورہ کرنے کی ہدایت کی کیونکہ اپنے دورۂ امریکہ اور برطانیہ کے دوران میں ہم نے ان دواداروں کے بارے میں بہت کچھ سنا تھا۔

میں نے کئی دفعہ پارلیمانی انتخابات میں حصہ لیا اور مسلمان ہونے کے باوجود انتخابات میں کامیابی حاصل کی۔ میں نے وزیر تعلیم وثقافت کے طور پر بھی کام کیا ہے اور مسلمان ہونے کے باوجود وزیراعظم کی کابینہ میں وزیر بھی رہی ہوں۔ میں ایک اہم بات بتانا چاہوں گی کہ جمہوریہ ٹرینی ڈاڈ اور ٹوباگو میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر سرکاری چھٹی ہوتی ہے۔ پورے ملک میں مسلمانوں کو گھروں اور مسجدوں میں ماہ رمضان کی عبادات سرانجام دینے کی آزادی ہے۔''

انہوں نے مزید کہا: ''میں اسلامی دنیا سے اپیل کرتی ہوں کہ وہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا

کرے کیونکہ اتحاد طاقت ہے۔ خاص طور پر اسلام جیسے عظیم الشان دین کے پرچم تلے اتحاد ضروری ہے کیونکہ اسلام نے بنی نوع انسان کو مساوات سے آشنا کیا اور یہی ہمارے تمام تعلقات اور معاملات کو منظم اور منضبط کرتا ہے' اس لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ اسلامی دنیا کے ممالک باہمی جنگ وجدل کو ترک کردیں۔ باہمی گفت وشنید' مشاورت اور افہام وتفہیم سے تمام مشکلات اور تنازعات کا تصفیہ کیا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت سے نوازا ہے اور میں اس سے دعا کرتی ہوں کہ مسلمانوں کو امن واخوت کی راہ دکھادے تاکہ وہ صحیح معنوں میں موجودہ دور کی بہترین امت بن جائیں جو تمام بنی نوع انسان کے لیے مبعوث کی گئی ہے۔ ①

[محترمہ فاطمہ مک ڈیوڈسن'
وزیر محکمہ سوشل ڈویلپمنٹ ولوکل گورنمنٹ- جمہوریہ ٹرینی ڈاڈ اورٹوباگو]
(Madame Fatima Mik Davidson- Republic of Trinidad and Tobago)

اسلام میری پسند کیوں؟

اسلام ہی وہ دین ہے جس کی مجھے سکول کے زمانے سے تلاش تھی۔ میرا ذہن عیسائیت کی تعلیمات سے کبھی مطمئن نہ ہوا' تاآنکہ بڑی ہوکر میری سوچ کو اتنی آزادی نصیب ہوگئی کہ میں نے عیسائیت کی تعلیمات کو ترک کردیا۔ سکول چھوڑنے کے بعد مجھے چند سال یہودی اور عیسائی دوستوں کے ساتھ بیرون ملک رہنے کا اتفاق ہوا مگر ان کے مذہب سے میں کبھی متاثر نہ ہوئی۔ اسی سال میں اپنے وطن سکاٹ لینڈ آئی تو ایک دن اتفاقاً میرے ایک دوست مجھے لندن کے مسلم پریئر ہاؤس (مسجد) 111 کیمپڈن ہل روڈ (Compden Hill Road) نوٹنگ ہل گیٹ لندن (Notting Hill Gate, London) ڈبلیو 8 میں منعقدہ "At Home" کی ایک تقریب میں لے گئے۔ وہیں میرا سچے دین اسلام سے تعارف ہوا اور مجھے اسلام سے دلچسپی ہوگئی۔ اس کی اہم خصوصیت مدلل اور معقول ہونا ہے' مثلاً عقیدۂ توحید پر یقین۔ اسی وجہ سے

① منبر الاسلام' نومبر 1983ء ویقین انٹرنیشنل' 22 جنوری 1984ء' ج:32' ش:19,18' ص:208-210

اسلام مجھے اچھا لگتا ہے۔ عیسائی ہونے کی حیثیت سے میں تثلیث' نظریۂ کفارہ یا عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں عیسائی نظریہ کبھی قبول نہ کر سکی۔ اسلام ایسے ناممکنات سے بالکل آزاد ہے کہ دنیا کو گناہوں سے بچانے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے معصوم انسان اپنی جان کی قربانی دینے کے لیے دنیا میں آئے۔ عیسائی عقائد کی ایسی باتیں میری سمجھ سے باہر تھیں۔ علاوہ ازیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مبینہ طور پر سولی پر لٹکنے سے دنیا کی حالت میں کوئی بہتری تو نہیں آئی (شاید سوائے ان چند لوگوں کے جنہوں نے آپ کی طرح بننے کی کوشش کی) اس کے برعکس مجھے تو یوں لگتا ہے کہ دنیا کی حالت پہلے سے بھی زیادہ بگڑ گئی ہے۔

ہر صاحبِ فکر انسان جو اسلام کو سمجھنے کی تکلیف گوارا کرے' اسے یہ سادہ اور باوقار دین بہت اچھا لگتا ہے۔ اسلام نے مجھے ایسا سکون اور خوشی دی ہے جس سے میں پہلے ناآشنا تھی۔ ①

[مس جون فاطمہ۔ ڈینسکن سکاٹ لینڈ]

(Miss Joan Fatima- Dansken, Scotland)

قبولِ اسلام کی خوشیاں اور دکھ

مجھے مسلمان ہوئے ایک سال گزر گیا ہے اور اب وہ وقت آ گیا ہے کہ میں اپنے خیالات واحساسات سے آپ کو آگاہ کر دوں۔ میری دعا ہے کہ ہر نومسلم کو اللہ تعالیٰ وہ محبت اور سمجھ عطا کر دے جس کی اسے اس نئی زندگی میں ضرورت پڑتی ہے۔ میں ان لوگوں سے یہ پوچھتی ہوں کہ وہ مجھے اپنے قبول اسلام کے حوالے سے حالات وواقعات بتائیں۔

جب بھی [لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ] کی پکار بلند ہوتی ہے تو آسمان مسکرا اٹھتا ہے اور جب کوئی آدمی صدق دل سے اسلام قبول کر لیتا ہے تو یہ اس کی زندگی کا سب سے عظیم لمحہ ہوتا ہے۔ اللہ انہیں (نومسلموں کو) گمراہی سے محفوظ رکھے۔

ایک لحاظ سے ہر نیا مسلمان ایک نوزائیدہ بچے کی مانند ہوتا ہے مگر ایک بالغ انسان بچہ کیسے

① اسلامک ریویو' جنوری 1930ء' ج:18' ش:1' ص:18

ہوسکتا ہے؟ اگر آپ اس پر توجہ دیں اور غور کریں تو آپ دیکھیں گے کہ یہ بات بالکل درست ہے۔ نومسلم کو سالہا سال کے ماضی سے قطع تعلق کر کے اپنے آپ کو تبدیل کرنا پڑتا ہے۔ ہوسکتا ہے ہم یہ سوچیں کہ شاید کوئی بڑی تبدیلی یا مطابقت اختیار کرنے کا مشکل عمل درپیش نہیں ہوتا۔ بے شک اللہ رحمٰن ورحیم ہے' وہ سب کچھ سمجھتا ہے مگر کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ قبول اسلام کا عمل فی الفور آسانی سے ہوسکتا ہے جبکہ نومسلم کو ایک زیرِ پرورش بچے کی طرح سمجھانے اور راہ دکھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

قبول اسلام کے پہلے سال نومسلموں کو بہت دکھ جھیلنے پڑتے ہیں۔ کچھ مسائل تو غیر سنجیدہ یا غیر اہم معلوم ہوتے ہیں مگر ان مسائل کے ساتھ زندگی گزارنا بہت مشکل ہوجاتا ہے۔ آپ اسلام قبول کرنے کے بعد اس معاشرے کے رکن نہیں رہتے جس میں آپ نے اب تک زندگی بسر کی ہے۔ سابقہ دور کی زندگی آپ کا تعاقب کرتی ہے' آپ کو اپنی طرف واپس بلاتی ہے۔ آپ کو پہلے سے زیادہ مدد کی ضرورت پڑتی ہے مگر آپ ڈرتے ہیں۔ شاید یہ بات سمجھنا ذرا مشکل ہو' لہٰذا میں وضاحت سے آپ کو بتاتی ہوں کہ کس طرح کچھ بہنوں نے مجھے مدد کی پیشکش کی مگر میں اتنی گھبرائی ہوئی تھی کہ خود ان سے مدد بھی طلب نہ کرسکی۔

جب میں مسلمان ہوئی تو مجھے مدد اور دوستی کے لیے کئی مسلمان خواتین وحضرات کے نام اور فون نمبر موصول ہوئے مگر شدید خواہش کے باوجود میں ان سے رابطہ نہ کرسکی۔ سفر کی ابتدا میں یہ بظاہر آسان قدم بھی اٹھانا خاصا مشکل تھا۔ میں بہت خوف زدہ تھی کہ ان سے کیا بات کروں اور کیا کہوں؟ اگر انہوں نے مجھے قبول نہ کیا تو پھر کیا ہوگا؟ میرے خیال میں' میں اس طرح محسوس کرنے والی پہلی نومسلم خاتون نہیں تھی (مجھ سے پہلے بھی نومسلم یہی محسوس کرتے ہوں گے) یہ صورت حال ننھے بچے کے پہلی بار چند قدم چلنے سے مشابہ ہوتی ہے۔ بچے کو چلنے کا شوق ہوتا ہے مگر ابتدا میں اسے حوصلہ افزائی اور سہارے کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ وہ گرنے کے بعد پھر اٹھ کر چلنے کی کوشش میں لگ جائے۔

کچھ نومسلم بہرحال خوش نصیب ہیں' کیونکہ قبول اسلام کے بعد بھی ان کے خاندان اور

دوست انہیں مسترد نہیں کرتے لیکن ان لوگوں کا کیا حشر ہوتا ہے جو اکیلے اسلام قبول کرتے ہیں؟ جب ان کے خاندان اور دوست انہیں مسترد کر دیتے ہیں تو انہیں بڑی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے اگرچہ بعض اوقات اس تبدیلی کو کوئی بھی اہمیت نہیں دیتا اور عام طور پر یہ کہا جاتا ہے: ''یہ اس کی زندگی کا کوئی نیا مرحلہ ہوگا۔ کچھ دیر بعد یہ خود بخود اپنی سابقہ حالت میں آجائے گی۔'' آپ (نومسلم) اس صورت حال میں کیا کر سکتے ہیں؟ آپ اپنی اس تبدیلی کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں؟ اس کے جواب میں آپ کو سرد مہر نگاہوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ بڑی پریشان کن بات ہوتی ہے کہ جن لوگوں سے آپ کو محبت ہوتی ہے یعنی والدین' کنبہ اور دوست وہ بدستور کافر رہیں۔ آپ کو ان سے اتنی محبت ہوتی ہے مگر وہ اسلام کے نور سے بہت دور (کفر کی تاریکی میں) ہوتے ہیں۔ یہ خیالات ایک نومسلم کے ذہن سے کبھی جدا نہیں ہوتے۔ ان خیالات کا اظہار کرتے ہوئے میں آپ سے رحم کی بھیک نہیں مانگ رہی ہوں' ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ ایک نئے مسلمان کو افہام و تفہیم' محبت اور دوستی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یاد رکھیے کہ مسلمان بننا اتنا آسان نہیں جتنا بظاہر نظر آتا ہے۔ ①

(خدیجہ عبداللہ)

میرا قبولِ اسلام

میری پرورش چرچ آف انگلینڈ کے عقائد کے مطابق ہوئی مگر میں اس میں ایمانی توانائی کی کمی اور معتبر اور واضح تعلیمات کے فقدان کے باعث مطمئن نہ تھی' لہٰذا میں نے رومن کیتھولک مذہب اختیار کر لیا۔ اس وقت میری عمر 20 سال تھی۔ میری اس تبدیلی مذہب کی بنا پر مجھے کئی سال تک رشتہ داروں اور دوستوں کے ہاتھوں بہت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ وہ اس تبدیلی کے مخالف تھے۔ مجھے پورے خلوص سے یہ یقین تھا کہ صرف رومن کیتھولک سچا مذہب ہے' لہٰذا مجھے یا میرے پیاروں کو جو بھی تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں' مجھے اس مذہب پر قائم رہ کر اللہ کے حکم کی اطاعت کرنی چاہیے۔

① اسلامک ہورائزن' نومبر' دسمبر 1985ء و یقین انٹرنیشنل' 7 جنوری 1987ء' ج:35' ش:17' ص:203

بعد میں پتہ چلا کہ رومن کیتھولک مذہب میں اتحاد قائم رکھنے کی خاطر اجتماعی سوچ سے اختلاف ممنوع ہے اور مجھے یہ یقین ہونا چاہیے کہ چرچ غلطی کبھی نہیں کرسکتا خواہ اس کی کوئی بات کتنی ہی نامعقول کیوں نہ ہو۔ اگر کسی بات سے میری عقل اختلاف کرتی' جو اکثر ہوتا تھا' تو مجھے اپنے آپ کو یہ کہہ کر مطمئن کرنا پڑتا تھا کہ میری عقل غلطی پر ہے کیونکہ چرچ کی تعلیمات عقل سے بالاتر ہوتی ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ عقیدہ تھا کہ عشائے ربانی کی تقریب میں جو بھی روٹی (Wafer)[1] استعمال ہوتی ہے وہ یسوع مسیح کے وجود میں تبدیل ہو جاتی ہے' جو خدا بھی تھے اور انسان بھی' اگرچہ بظاہر ایسی کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہوتی۔ میں حیران ہوتی تھی کہ ایک انسان ایک روٹی میں کس طرح سما سکتا ہے اور بیک وقت دنیا بھر کے تمام گرجا گھروں اور کلیساؤں میں ایک آدمی کی موجودگی کیوں کر ممکن ہے۔ علاوہ ازیں انسانی گوشت کھانے اور خون پینے کا تصور مکروہ لگتا تھا۔ بہر حال میں نے زبردستی اپنے آپ کو یہ ماننے پر مجبور کر لیا کہ چرچ کی تعلیم یقیناً درست ہی ہوگی۔ میں نے دعاؤں کی مدد سے اپنے اندر ایک روحانی وجد پیدا کر لیا تاکہ میں کراہت محسوس کیے بغیر اور کسی عقلی دلیل کو مدنظر رکھے بغیر روٹی کے اس ٹکڑے کو مقدس اور متبرک سمجھ کر کھا لوں۔ ایک اور سوال یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صلیب پر مبینہ قربانی ان کی موت کے بغیر بار بار کیوں کر ممکن ہے۔ کئی اور مسائل بھی اسی طرح کے تھے۔ ان شکوک وشبہات سے مجھے بہت اذیت ہوتی اور یہ محسوس ہوتا تھا کہ میں ایک اچھی کیتھولک نہیں ہوں۔

میں حضرت مریم علیہا السلام اور ولیوں (Saints) کی عبادت کو بھی اچھا نہیں سمجھتی تھی۔ کیتھولک حضرت مریم علیہا السلام کو خدا کا درجہ تو نہیں دیتے مگر ان کا ایمان یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام آسمان کی ملکہ اور اللہ کی رحمتوں کی سفارش کرنے والی ہستی ہیں اور وہ ان کی سفارش کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ ایک دفعہ میں نے ایک پادری کو سکول کے بچوں کی ایک جماعت کو یہ بتاتے سنا کہ ایک آدمی جو بہت ہی برا تھا' اسے جہنم سے صرف اس بات نے بچا لیا کہ اس نے ''ہماری مالکہ''

---

[1] "Wafer" غیر خمیری روٹی ہوتی ہے جو رومن کیتھولک گرجا میں عشائے ربانی کی تقریبات مناتے ہوئے استعمال کی جاتی ہے۔ (م ف)

(حضرت مریم علیہا السلام) سے دعا مانگنا کبھی ترک نہیں کیا تھا۔ میں اس نظریے کو بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا کا نجات دہندہ قرار دینے کے نظریے سے متصادم سمجھتی تھی۔

ان تمام اشکالات کے باوجود مجھے کیتھولک چرچ سے کچھ تسکین حاصل تھی۔ اس میں خاصی چیزیں خوش کن تھیں' لہٰذا میں اس سے کسی حد تک مطمئن ہی تھی۔ بعض پروٹسٹنٹ لوگوں سے ملاقات کے بعد تقریباً ایک سال تک کیتھولک مذہب پر میرا ایمان متزلزل رہا کیونکہ ان کا مذہبی جوش و خروش کیتھولک فرقے جیسا تھا۔ انہوں نے مجھے بائبل پر مبنی اور چرچ آف انگلینڈ جیسے ابہام سے پاک پروٹسٹنٹ مذہب سے متعارف کرایا جو کیتھولک مذہب کا نعم البدل تھا۔ پروٹسٹنٹ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نجات دہندہ مانتے تھے۔ اگرچہ ان کے عقائد کی سادگی مجھے اچھی لگتی تھی لیکن میں یہ نہیں مان سکتی تھی کہ صرف عقیدہ ہی انسان کو رب تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکتا ہے اور نہ یہ تسلیم کرنا ممکن تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نجات دہندہ مان کر ایمان کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ اپنے آپ سے کافی بحث و تکرار کے بعد مجھے بالآخر آنکھیں بند کر کے کیتھولک تعلیمات و عقائد کی اطاعت قبول کرنی پڑی۔

اسلام کے بارے میں مجھے کوئی خاص علم نہ تھا۔ عرب میں غلاموں کی تجارت' کثرت ازواج' منشیات کی تجارت اور جانوروں پر تشدد کے حوالے سے بعض اخبارات میں مضامین پڑھ کر اسلام کے خلاف میرے تعصب میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ سکول کے زمانے میں پڑھی ہوئی صلیبی جنگوں کی داستانیں بھی کچھ نہ کچھ اب تک یاد تھیں جن سے یہ تاثر ملتا تھا کہ مسلمان غیر مہذب' وحشی اور متعصب ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ کس طرح کیتھولک اور پروٹسٹنٹ مذہب سے متعلق ذہنی کشمکش نے مجھے مایوسی اور اعصابی شکستگی سے دوچار کر دیا تھا۔ میں سوچنے لگی کہ سچائی کی تلاش مجھے کہیں اس سے بھی بدتر حالت سے دوچار تو نہیں کر دے گی۔ بہر صورت مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں قرآن کا مطالعہ کرنے کے بعد اسے نظر انداز نہیں کر سکتی' لہٰذا میں نے اللہ سے ہدایت کی دعا کی۔ درست فیصلہ کرنے کے لیے میں نے یہ فرض کر لیا کہ میں ایک دور افتادہ علاقے کی باشندہ ہوں جس نے

کبھی عیسائیت کا نام تک نہیں سنا اور میں نے اپنے ذہن سے عیسائیت کے حوالے سے اپنی یادیں اور اسلام کے خلاف تعصب کو جہاں تک ہو سکا مٹا دیا۔

قرآن حکیم کے بارے میں' میں نے ممکنہ صورتوں پر غور کیا کہ یہ یا تو اللہ کی طرف سے وحی ہے یا نبیٔ اکرم ﷺ نے (نعوذ باللہ) بائبل میں مذکور تاریخی واقعات کے بارے میں بعض اہل علم سے معلومات حاصل کیں اور خود پر اللہ کی وحی نازل ہونے کا دعویٰ کر دیا' یا شیطانی ذرائع سے معلومات ملیں اور اسے وحی کہہ دیا۔

میں نے نبیٔ کریم ﷺ کی سیرت اور کردار کے بارے میں کتابوں اور دوسرے ذرائع سے کچھ مزید معلومات حاصل کیں۔ جن لوگوں سے میں نے یہ معلومات حاصل کیں ان میں مسلمان بھی تھے اور غیر مسلم بھی۔ یہ بات ناممکن لگتی تھی کہ آپ نے تاریخی واقعات کے بارے میں معلومات یہودیوں اور عیسائیوں سے یا دوسرے ذرائع سے حاصل کی ہوں کیونکہ آپ بائبل نہیں پڑھ سکتے تھے۔ بالفرض اگر آپ نے یہودیوں اور عیسائیوں سے یہ معلومات حاصل بھی کی ہوتیں تو ایک تو اتنی زیادہ تفصیلات یاد رکھنا ناممکن تھا' دوسرا یہ کہ اس بات کا اور لوگوں کو بھی علم ضرور ہوتا کہ آپ نے یہ سب کچھ لوگوں سے سیکھا ہے اور وہ لوگ یہ کہہ دیتے کہ یہ تو فلاں کی بتائی ہوئی باتیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے یہ الزام لگانے کی کوشش بھی کی مگر کوئی ثبوت فراہم نہ کر سکے۔

حضرت محمد ﷺ کے کردار کے بارے میں مطالعہ سے مجھے یقین ہو گیا کہ آپ غلط بیانی سے کام نہیں لے سکتے تھے۔ آپ دین دار' سراپا شفقت' انصاف پسند اور عفو و درگزر سے کام لینے والے تھے اور خود غرضی اور خواہش پرستی سے پیدا ہونے والی خطاؤں سے گریز فرماتے تھے۔

کوئی غیر محتاط آدمی اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کفریہ باتیں کہہ کر حضرت محمد ﷺ کی طرح 13 سال تک مصائب اور تکالیف کا نشانہ بننا پسند نہیں کرتا اور نہ اس کے پیروکار اس کے ایسے مصائب میں شریک ہو سکتے ہیں جب تک کہ انہیں اس کے مکمل خلوص اور صداقت کا یقین نہ ہو۔ جب آپ کو کامیابی حاصل ہوئی تو آپ نے خود پسندی سے کام لیا' نہ ایک متعصب آمر کا

رویہ اپنایا جیسا کہ ایک خود غرض آدمی کرسکتا ہے۔

آپ بدستور سادہ اور عاجزانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ اہل مکہ پر جب آپ کو مکمل تسلط حاصل ہوگیا تو آپ نے ان لوگوں کو جو آپ اور آپ کے پیروکاروں پر ظلم کرتے رہے تھے معاف کردیا' حالانکہ آپ چاہتے تو ان سے بدلہ لے سکتے تھے۔ جو شخص خلوص دل سے اللہ عزوجل کو خوش کرنا چاہتا ہو صرف وہی شخص خوش حالی اور بدحالی دونوں صورتوں میں ایسے عظیم کردار کا مظاہرہ کرسکتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''تم ان لوگوں کو ان کے پھل (کردار) سے پہچان لوگے۔'' ایک منافق شخص کسی نہ کسی وقت پہچانا جاتا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی زندگی میں کوئی ایسی بات نہ تھی جس کی بنا پر لوگ آپ کے اخلاص پر انگلی اٹھا سکتے۔

پھر کیا یہ کہنا درست ہے کہ شیطان بعض اوقات اچھے لوگوں کو آلۂ کار بنا کر ان کے دل میں یہ بات ڈال دیتا ہے کہ انہیں جو کچھ بتایا جارہا ہے وہ اللہ کی طرف سے وحی ہے؟ مگر کیا یہ ممکن ہے کہ شیطان بظاہر ایک اچھے دین کو قائم کردے صرف اس مقصد کے لیے کہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قربانی کے عقیدے پر ایمان لاکر نجات پانے سے باز رہیں؟ کیا شیطان کوئی ایسا دین قائم کرسکتا ہے جو شرک اور بت پرستی کو ختم کردے' عدل کا نظام قائم کرے' اللہ کی عبادت کا حکم دے' غریبوں اور بے کسوں کی مدد کی تاکید کرے' خواتین کو قابل احترام مقام دے' سائنس کے علم میں اضافہ کرے' عالمگیر اخوت اور دوسرے مذاہب سے رواداری کا درس دے' غلاموں کو آزادی دینے کی ترغیب دے' چوری' قتل اور زنا پر سخت گرفت کرے' مشرک عربوں کی اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کی رسم کو ختم کردے' بیویوں کی تعداد چار مقرر کردے اور ان سے انصاف کا برتاؤ کرنے کی ہدایت کرے؟ ہرگز نہیں!!

اس کے مقابلے میں عیسائیت کا کوئی بھی فرقہ حقیقتاً تسلی بخش نہیں ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ آدم اور حوا علیہما السلام کی خطا کاری کے باعث تمام انسان گناہ گار پیدا ہوتے ہیں اور اپنے اعمال کی بنا پر جنت کے مستحق نہیں ہوسکتے۔ مگر مسلمانوں کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ سیدنا آدم اور حوا علیہما السلام کی لغزش کی سزا پوری نسل انسانی کو مل رہی ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام انسان معصوم

(گناہوں سے پاک) پیدا ہوتے ہیں اور اپنے گناہوں ہی کے سبب سے جنت میں جانے کے حق سے محروم ہوسکتے ہیں اور وہ بھی اس عمر کے گناہوں کے سبب جب وہ دانستہ گناہ کا ارتکاب کرسکیں۔

مجھے قرآن حکیم کے ان الفاظ نے بہت متاثر کیا: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾
''کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔'' (الاسراء : 15/17)

لہٰذا جنت کے انعام یا جہنم کی سزا کا دارومدار انسان کے ایمان (یا بے ایمانی) اور اعمال پر ہوگا نہ کہ کسی کی سفارش' قربانی یا مداخلت پر۔ یہ بات مجھے زیادہ قرین انصاف اور معقول لگی۔

تحقیق اور دلائل کی تلاش کے عمل میں' میں نے کئی ماہ صرف کیے اور اس کے بعد اسلام پر ایمان لانے کا اعلان کیا۔ میں نے ایک برائے نام مسلمان سے شادی کی مگر میرے اسلام لانے کی وجہ یہ شادی نہیں تھی۔ صرف ایک مسلمان ہونے کی رو سے میں نے اس سے شادی کی اور اس طرح میں دین اسلام سے وابستہ ہوگئی۔ میرا قبول اسلام قرآنِ حکیم کے مطالعہ اور کسی حد تک صالح مسلمانوں کے اچھے کردار کے سبب عمل میں آیا۔

میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ دنیا میں ہر لحاظ سے مکمل کوئی بھی دینی تنظیم موجود نہیں' مگر جب میں اسلام کی عظمتِ رفتہ اور آج کے بہترین مسلمانوں کی زندگی پر نظر ڈالتی ہوں تو مجھے احساس ہوتا ہے کہ اسلام میرے لیے راہِ ہدایت ہے۔

اگر مسلمان اپنے اندر یہ احساس پیدا کرلیں کہ مذہب کے اصول مادی ترقی سے متصادم نہیں ہیں اور وہ دوسری قوموں کی مادیت پرستی اور کمزور ضابطۂ اخلاق اپنانے کی بجائے اپنے شاندار ماضی کی بنیاد پر ایک قابل تقلید تہذیب استوار کرلیں تو اسلام دنیا کے لیے بہت مؤثر ثابت ہوسکتا ہے۔ علاوہ ازیں اگر برطانیہ اور یورپ کے لوگ اسلام قبول کرلیں تو پھر وہ ہمیشہ کے لیے بڑی طاقتیں بن جائیں گے۔ برطانیہ اور یورپ کے مسلمانوں کو بہترین مسلمانوں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ برطانیہ کے اکثر لوگ اپنے مذہب سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ انہیں ایک نیا مقصدِ حیات درکار ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ مسلمان جو دوسرے ممالک سے آتے ہیں اور ان سے میل جول

رکھتے ہیں وہاں اچھا تاثر قائم کر کے ان کے دلوں میں اسلام سے دلچسپی پیدا کر لیں گے۔ [1]

[خدیجہ ایف آر فیزوئی۔ انگلینڈ]

(Khadija F.R. Fezoui- England)

میں نے دین اسلام کیوں اختیار کیا؟

میرے خاندان کا تعلق چرچ آف انگلینڈ سے تھا اور اس خاندان کے کئی افراد چرچ میں اہم مناصب پر فائز تھے' لیکن میں کلیسا کے کئی عقائد مثلاً نظریۂ کفارہ' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت' سفارش' گناہوں کے اعتراف اور مسیحی توثیق جیسی رسوم سے کبھی اتفاق نہ کر سکی کیونکہ یہ سب نظریات مجھے استادِ گلیل (Galilee) [2] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات کے خلاف لگتے تھے۔

3 سال قبل ایک دفعہ میں ووکنگ (Woking) کی مسجد گئی تو مسلمانوں سے رابطہ ہوا۔ اس کے بعد میں نے مسجد کے نائب امام عبدالخالق خان سے دین اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا سلسلہ جاری رکھا اور اسی سلسلے میں انہیں کبھی کبھار ''ساؤتھ سی'' میں مدعو کرتی رہی۔ انہوں نے اسلامی تعلیمات کی جو وضاحت کی وہ جدید دور اور سائنس کے مطابق میرے ذہن کے لیے قابل قبول تھی۔ اسلام کے پیروکاروں کی انتہائی سادگی اور عبادت میں خلوص نے مجھے یہ احساس دلا دیا کہ یہ دین اس کائنات کا سب سے اوّلین اور برتر دین ہے۔ [3]

[مادام خالدہ بکینن ہیملٹن [4] ایچ]

(Madame Khalida Buehanan-Hamilton H)

---

[1] اسلام' دی فرسٹ اینڈ فائنل ریلیجن' ص: 142-147

[2] بحیرۂ گلیلی (جھیل طبریہ) شمالی فلسطین میں واقع ہے۔ اس کے کنارے ناصرہ (Nazareth) نامی شہر آباد ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو تبلیغ و تلقین کرتے رہے۔ اس لیے انھیں استادِ گلیل یا مسیح ناصری بھی کہا جاتا ہے۔ (م ف)

[3] اسلامک ریویو' دسمبر 1929ء' ج: 17' ش: 12' ص: 455,454

[4] مسز ایچ بکینن ہیملٹن (Mrs.H.Buchanan Hamilton) آنجہانی مارکوئیس کرزن آف کیڈل سٹون

میرا عقیدہ

میرے خیال میں زندگی کا سب سے ارفع تصور یہ ہے کہ ہم ایک بے عیب ذات کے نمائندے ہیں جو ہمیں ہدایت بھی دیتی ہے اور ہماری قسمت کی نگرانی بھی کرتی ہے۔ یہ سوچ غلط ہے کہ ہم خود اپنی تقدیر بناتے ہیں اور ہمیں اس پر مکمل اختیار حاصل ہے کیونکہ ہم میں سے بڑے سے بڑا انسان بھی اپنی قوت و جبلت پر کوئی اختیار نہیں رکھتا اور زندگی کی ابتدا اور انتہا کا علم ہم میں سے کسی کو بھی میسر نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے مالکِ تقدیر ہونے پر ایمان رکھنے کے بغیر ہمیں اپنے جذبات کے مطابق فیصلے کرنے کے لیے ہمارے حال پہ چھوڑ دیا جاتا تو ہمارے جذبات جو سراسر تکبر اور خودسری پر مبنی ہیں' ان کے ہاتھوں اب تک روئے زمین سے نسل انسانی کا وجود ہی مٹ چکا ہوتا۔ محض جذبات کی تکمیل وتسکین کی انفرادی اور اجتماعی کوششوں کا انجام یہی ہونا تھا۔

جہاں تک مالکِ تقدیر کے تصور کا تعلق ہے جس سے ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی تقدیر کے بارے میں رہنمائی حاصل کر سکیں' تو اس سلسلے میں بہت اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ مالک تقدیر کی ذات واحد اور جامع ہونی چاہیے جس میں کوئی شریک ہو نہ وہ اپنے اختیارات کسی اور کو منتقل کرے۔ اس ملک کے لوگ اسلام کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں باتیں تو بڑے مزے سے کرتے ہیں مگر وہ عقیدۂ توحید کے مفہوم پر غور کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے جو کہ اسلام کی بنیاد ہے۔

لوگوں کے لیے بہتر ہوگا اس حقیقت کو تسلیم کر لیں کہ اس موضوع پر اسلام نے جو رہنمائی دی ہے' اس کے بارے میں کسی قسم کا ابہام پیدا کرنے کی کوشش بالآخر بنی نوع انسان کی سماجی اور

(Marquess Curzon of Kedleston) اور آنجہانی سر فرانسس لے بیرونیٹ (Sir Francis Ley Bart.) کی رشتہ دار تھیں۔ سولھویں صدی کے شروع میں اس قدیم اور معزز خاندان کی زمینیں مے فیلڈ (Mayfield) کے مقام پر ''سٹیفورڈ شائر کاؤنٹی'' میں تھیں۔ ان کی پرورش جرمنی میں ہوئی۔ وہ آرٹ کی دلدادہ تھیں اور انگریزی کے علاوہ انہیں جرمن اور فرانسیسی زبانوں پر کامل عبور تھا۔ (ایڈیٹر اسلامک ریویو)

روحانی زندگی کو شکست وریخت میں مبتلا کردے گی۔ اب اگر ارادہ اور حتمی فیصلے کا اختیار یقینی طور پر ایک ہی ہستی کے پاس ہے جو تمام اسباب کی مالک بھی ہے اور زمان ومکان اسی کی گرفت میں ہیں، تو عقل کا تقاضا یہ ہے کہ انسانیت کی رہنمائی کے لیے دنیا بھر میں دستور العمل بھی ایک ہی ہونا چاہیے۔ اگر کسی ایک زمانے میں اللہ تعالیٰ نے کسی ایک قوم کی اخلاقی اور روحانی رہنمائی ایک پیغمبر کے ذریعے سے کی تو باقی تمام قوموں اور تمام ادوار کے لیے بھی طریقہ کار وہی ہوگا۔ سب سے بڑھ کر یہی بات تھی جس نے مجھے عیسائیت کی بجائے اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا کیونکہ اگر میں عیسائیت کے موجودہ نظریۂ الوہیت پر ایمان لاؤں جیسا کہ عیسائیت پیش کرتی ہے تو اخلاقاً مجھے ان تمام اوتاروں پر ایمان لانا پڑے گا جو مختلف مشرک قوموں نے بنا رکھے ہیں۔ بے شک قرآن عظیم کی اس بات سے مجھے روحانی تسکین ملی کہ اللہ تعالیٰ انسانیت کے لیے اپنے حکم یا مرضی کا انکشاف بنی اسرائیل کے سلسلہ انبیاء کے ذریعے سے کرتا رہا اور انسانیت کی ہدایت کا یہی ایک طریقہ ہے، اور الوہیت بہ شکل انسانیت کا نظریہ کافرانہ سوچ کی پیداوار ہے جس کی درحقیقت کوئی بنیاد ہی نہیں۔ قرآن حکیم یہ بات واضح طور پر بتاتا ہے کہ وہ تمام انسان جنھیں الوہیت کے اوتار سمجھ کر پوجا گیا، وہ الٰہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رُوح الامین (جبریل علیہ السلام) ان پر وحی لاتے تھے اور ان کے فوت ہو جانے کے بعد گمراہ لوگوں نے انھیں الٰہ سمجھنا اور پوجنا شروع کر دیا۔

✿ **اسلام کا تصورِ رسول:** میں واضح طور پر سمجھتی ہوں کہ انسانیت کی روحانی نجات میں رسالت کے مؤثر کردار کے حوالے سے کسی عیسائی کے لیے اسلام کا نظریہ قبول کرنا خاصا مشکل ہوسکتا ہے کیونکہ اس کا تصور نبوت بائبل کے عہد نامۂ قدیم میں مذکور قصے کہانیوں پر مبنی ہوتا ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ہم ان کہانیوں پر یقین کریں تو یہ کہانیاں ہمیں نجات کے بجائے جہنم میں لے جاسکتی ہیں تا آنکہ اپنی نجات کا کوئی اور مؤثر وسیلہ اختیار نہ کیا جائے۔

اسلام کا تصورِ نبوت جو میرے خیال میں یہودی عقائد کے اصلی تصور کے بھی مطابق ہے، عیسائیت کے تصور نبوت سے بہت مختلف ہے۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنھیں اللہ تعالیٰ نے براہِ راست صفاتِ کاملہ سے نوازا ہے، تمام مثبت اقدار اور نیکیوں کا چلتا پھرتا نمونہ ہیں اور آپ کی صحبت ہی

انتہائی گناہ گار انسان کو نیک بنا دیتی ہے۔ درحقیقت یہ سوچ ہی غلط ہے کہ تمام نیکیوں اور پاکیزگی کا سرچشمہ ذات الٰہی' کسی عام انسان سے بھی بڑھ کر ایک گناہ گار انسان سے براہِ راست گفتگو کر سکتی ہے' جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں عہد نامہء قدیم میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ گناہ گار انسان ایک پوری قوم کو اخلاقی اور روحانی منازل طے کرا سکتا ہے لہٰذا قرآن حکیم پڑھ کر مجھے بہت زیادہ قوت ایمانی ملی کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو غلط انداز میں پیش کرنے والی عہد نامۂ قدیم میں مذکور سب داستانیں جھوٹی اور من گھڑت ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں اسلام کا اعلیٰ روحانی معیار دیکھنے کے بعد یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ دنیا کو اپنی نجات کیلئے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ اور کوئی بہتر ذریعہ نہیں مل سکتا۔ اوتار یا تجسیم الٰہی کا نظریہ نہ صرف غیر ضروری ہے بلکہ گمراہ کن ہے۔ اگر ہماری نجات کی خاطر اللہ تعالیٰ انسانی شکل اختیار کر لے تو کائنات اور اس کی قسمتوں کے مالک کی حیثیت سے وہ اپنے فرائض کیسے ادا کرے گا؟ عیسائیت اس مشکل کا حل اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں ایک اور شخص کی شرکت بتاتی ہے۔ مگر اس سے تو یہ الجھن اور بھی زیادہ پیچیدہ ہو جاتی ہے۔ صرف طاقت کا سرچشمہ ہی اللہ کہلا سکتا ہے نہ کہ اس کے نائبین جو اس کے ماتحت ہوتے ہیں۔ بہرحال اگر ہم نظر نہ آنے والی روحانی طاقت عظمیٰ' (اللہ) جو تمام مخلوق کی خالق ہے' کو بھی اور زمین پر رہتے بستے مفروضہ اوتار (عیسیٰ علیہ السلام) کو بھی اللہ تسلیم کر لیں تو کائنات کی حکومت میں دو عملی کی صورت حال بنتی ہے جو کہ ناممکن ہے' کیونکہ اس صورت میں کوئی پُرامن اور ترقی پذیر نظام نہیں چل سکے گا۔ علاوہ ازیں بصورتِ انسانی خدا کا کردار بے بسی کی تصویر ٹھہرتا ہے۔ کائنات کا نظام چلانے والی طاقت وہی ہو سکتی ہے جو غیر مرئی (نظر نہ آنے والی) ہو۔ میرے خیال میں تجسیم الٰہی کا تصور عیسائی قوم کے روحانی دیوالیہ پن کا مظہر ہے جو اس کے لیے روحانی معاملات کو روحانی بصیرت سے دیکھنے میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔[1]

[مادام خالدہ بکینن ہیملٹن- صدر مسلم سوسائٹی' برطانیہ]

(Madame Khalida Buchanan-Hamilton
President of the Muslim Society in U.K)

[1] اسلامک ریویو' جنوری 1937' ج:25' ش:1' ص:67-70

میں مسلمان کیوں ہوئی

[لیڈی محترمہ ایولن کوبولڈ زینب] نے اپریل 1933ء میں ادائیگیٔ حج کی سعادت حاصل کی۔ یہ سعادت حاصل کرنے والی آپ پہلی انگریز مسلم خاتون تھیں۔ آپ نے اپنی یادداشتیں اپنی کتاب "My Pilgrimage To Mecca" (میرا مکہ کا حج) کے عنوان سے شائع کروائیں۔
14 دسمبر 1933ء کو برطانیہ کی مسلم سوسائٹی کی جانب سے کارلٹن ہوٹل (Carlton Hotel)، لندن میں سیرت کے حوالے سے ایک محفل منعقد کی گئی جس کی آپ میزبان تھیں۔ اس موقع پر آپ نے سیرت النبی ﷺ پر ایک پرمغز خطاب فرمایا۔ (مدیر)]

مجھ سے اکثر یہ پوچھا جاتا ہے کہ میں مسلمان کیوں ہوئی؟ میں صرف یہی جواب دے سکتی ہوں کہ مجھے یہ علم نہیں کس وقت اسلام کی حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی؟ کچھ یوں لگتا ہے کہ میں ہمیشہ ہی سے مسلمان تھی۔ جب یہ ذہن میں رکھا جائے کہ اسلام دین فطرت ہے اور بچہ اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ فطرت ہی کے مطابق پروان چڑھے گا، تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے، جیسا کہ ایک مغربی نقاد نے ایک دفعہ کہا تھا: ''اسلام عقل وشعور کا دین ہے۔''

میں نے اسلام کا جتنا زیادہ مطالعہ کیا اتنا ہی میرا یہ یقین راسخ ہوتا گیا کہ اسلام ہی سب سے زیادہ عمل پر زور دیتا ہے اور یہی دنیا کے پیچیدہ ترین مسائل کا بہترین حل پیش کرکے انسانیت کو امن اور خوش حالی دے سکتا ہے۔ تب سے اب تک میرا یہ محکم ایمان ہے کہ اللہ ایک ہے اور حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت محمد ﷺ اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام اللہ ہی سے ہدایت حاصل کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے لیے ایک نبی بھیجا، انسان فطرتاً گناہ گار نہیں اور ہمیں (دنیا میں) نجات کے لیے کسی کی سفارش کی ضرورت نہیں کیونکہ ہم کسی بھی وقت اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو سکتے ہیں اور یہ کہ ہماری نجات کا تمام تر دارومدار (اللہ کی رحمت کے بعد) ہمارے ایمان اور اعمال پر ہے۔

اسلام اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت کا نام ہے، نیز اس کے معنی ''سلامتی'' کے ہیں اور مسلمان وہ ہے جو خالق کائنات کے احکام پر عمل کرے اور اللہ اور اس کی مخلوق دونوں کو راضی رکھے۔

اسلام کی بنیاد دو باتوں پر ہے: ① توحید پر ایمان ② اخوتِ انسانی [1]

یہ پیچ در پیچ عقائد کی بھول بھلیوں سے پاک ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسلام ایک مثبت دین ہے۔

حج کے اثرات کے بیان میں مبالغہ آرائی ناممکن ہے۔ دنیا کے ہر کونے سے آئے ہوئے انسان جو اس مقدس موقع پر اس مقدس جگہ جمع ہو کر نہایت عجز سے اللہ کی حمد و تسبیح بیان کرتے ہوئے انسانیت کے سمندر میں شامل ہو جاتے ہیں' اس سے اسلامی نصب العین کی اہمیت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔ یہ بہت ہی روح پرور مشاہدہ ہے جو خوش نصیب انسانوں کو ہوتا ہے۔ جس سرزمین سے اسلام کے زمزمے بلند ہوئے اس کی زیارت، جہاں نبی ﷺ نے گمراہ انسانیت کو اللہ تعالیٰ کی طرف واپس آنے کی دعوت دی اور جہاں حضرت محمد ﷺ نے قربانی اور شہادتوں کے زرّیں برسوں میں مشقتیں اور صعوبتیں اٹھائیں' ان کی ایمان افروز یادیں' یہ سب باتیں مل کر روح میں شمعِ ایمان روشن کرتی ہیں جس سے پوری دنیا روشن اور منور ہو جاتی ہے لیکن حج کے ثمرات و برکات اور بھی ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ یہ مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرتا ہے اور انہیں متحد کر کے ایک قوت بناتا ہے' آپس میں ہمدردی سکھاتا ہے اور انہیں ایک مرکز عطا کرتا ہے جہاں وہ دنیا کے اطراف و اکناف سے آ کر یکجا ہو سکتے ہیں۔ وہ ہر سال ایک دوسرے سے ملنے اور ایک دوسرے کو جاننے کا موقع عطا کرتا ہے۔ حج کے دوران میں آپس میں تبادلۂ خیالات اور تجربات کا موازنہ کرنے کا موقع ملتا ہے اور اجتماعی فلاح کے لیے مربوط کوششیں کرنے کی ترغیب ملتی ہے۔ فاصلے مٹ جاتے ہیں اور فرقہ وارانہ اختلافات ایک طرف رکھ دیے جاتے ہیں۔ رنگ و نسل کے امتیازات اس دینِ اخوت میں ضم ہو جاتے ہیں اور یہ تمام مسلمانوں کو ایک عظیم برادری بنا کر انہیں اپنے اسلاف کے شاندار ورثے کا احساس دلاتا

① رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ کی شہادت' نماز قائم کرنا' زکوۃ ادا کرنا' حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔'' (صحيح البخاري' الإيمان' باب: دعاؤكم إيمانكم' حديث: 8)

رہے۔ [1]

[لیڈی ایولن کوبولڈ زینب]
(Lady Evelyn Cobbold Zainab)

اسلام کا مفہوم میری نظر میں

محترمہ مریم جمیلہ ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والد ایک سیلز مین اور والدہ نہایت معزز سماجی کارکن تھیں۔ محترمہ جمیلہ نے 19 برس کی عمر میں اسلامی لٹریچر کا پوری توجہ اور انہماک سے مطالعہ شروع کیا۔ آغاز آپ نے اسلامی کتب کے انگریزی تراجم کی مدد سے کیا تاکہ مسلمان ہونے کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کی جائے اور عام دستیاب اخبارات وجرائد کے ذریعے سے اسلامی ریاستوں کے موجودہ حالات کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کی جائیں۔

آپ نے دنیائے عرب اور پاکستان کے تقریباً دس بارہ نوجوانوں سے خط کتابت کی۔ ان قلمی احباب میں سے اکثر سے تعلقات دیرپا ثابت نہ ہوئے کیونکہ آپ جلد ہی ان کے مغرب زدہ طرزِ حیات سے بیزار ہوگئیں۔ ان کی اسلامی عقائد اور ثقافت سے غفلت اور بعض اوقات عناد کے علاوہ ان کی بچکانہ سوچ نے آپ کو ان سے متنفر کر دیا۔ بالآخر آپ نے پختہ کار اور بااثر مسلمان رہنماؤں بالخصوص علماء سے رابطہ قائم کیا۔ 1960ء تک آپ کی خط کتابت سابق عراقی مندوب دراقوام متحدہ ڈاکٹر فاضل جمالی، سابق ڈائریکٹر اسلامک سنٹر واشنگٹن ڈاکٹر محمود ایف حب اللہ، صدر علمائے الجزائر اور فرانسیسی استعمار کے خلاف تحریک آزادی کے روح رواں مرحوم شیخ محمد بشیر ابراہیمی، ڈاکٹر محمد البہائی الازہری، ڈاکٹر محمد حمید اللہ آف پیرس، ڈاکٹر معروف دوالیبی (ماہر اسلامی قانون، پروفیسر آف شریعہ دمشق یونیورسٹی اور سابق وزیر اعظم شام) اور صدر اسلامک سنٹر جنیوا ڈاکٹر سعید رمضان سے ہو چکی تھی اور آپ نے سید قطب شہید سے بھی رابطے کی پوری پوری کوشش کی، جب وہ مصر میں طویل قید کاٹ رہے تھے۔

---

[1] اسلامک ریویو، مارچ 1934ء ج:22، ش:3، ص:61